تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

خدائی نسخہ

اگر آج ہم میں سے ہر شخص محض اتنا عزم کر لے کہ آئندہ سے اپنی زبان اپنے قابو میں رکھے گا، تو ذاتی اور خاندانی، شخصی اور قومی کتنی خرابیوں، کتنی رنجشوں، کتنے فتنوں کا اسی لمحہ اور اسی آن خاتمہ ہو سکتا ہے! قُولُوا قَولاً سَدِیْداً (بات کہو تو پکی اور مضبوط) کا فرمان جہاں وارد ہوا ہے، وہیں معاً یہ بشارت بھی دیدی گئی ہے کہ یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ (تمہارے عملوں کی اصلاح ہو جائے گی، تمہارے بگڑے کام بن جائیں گے) کاش ایک مرتبہ بھی ہمیں اس خدائی نسخہ پر عمل کی توفیق ہو جائے

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

Rs.7/-

۲۵/جولائی ۲۰۰۶ء

Postal Regd. No.LW/NP/63/2006to2008
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071
Fortnightly
Tameer-e-Hayat
Vol. No.43 Issue No. 16-17-18
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07
10-25 June, 10 July. 2006

Ph. Off: 0522-2740406
Fax: 0522-2741221
Website: www.nadwatululama.org
E-mail: Nadwa@sancharnet.in

Mobile: 09415786548
Mohd. Akram
Jewellers
Phone: Shop 0522-2274606
Res: 0522-2254796
محمد اکرم جویلرس
Near Odeon Cinema, Lucknow

Ph:0522-2266786
Mob: 9415015169
ثناء جویلرس
SANA JEWELLERS
Riyaz Ahmad
Ghyas Ahmad
۳۰۱/۱۲ سرائے بانس، اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
301/12, Sarai Bans
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

چاندی کے زیورات کیلئے ہمارے شوروم
گہنہ پیلیس
میں آپ کا خیر مقدم ہے
Gehna Palace
Whenever you see jewlellery
Think of us
Ph:2260433
اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ
خوشبودار عطریات
روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر
فلور پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق گلاب
عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ
کی ایک قابل اعتماد دوکان
ایک مرتبہ تشریف لا کر خدمت کا موقع دیں
تیار کردہ
اظہارسن پرفیومرس
اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
برانچ: C-5 جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج
IZHARSON PERFUMERS
H.O.: Akbari Gate, Chowk, Lucknow.
Tel.: 0522-2255257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell.91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

Res: 2226177
Akbari Gate
2268845
حاجی صفی اللہ جویلرس
گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ
HAJI SAFIULLAH JUWELLERS
Opp: Gadbad Jhala Aminabad, Lucknow-18

Editor: *Shamsul Haq Nadwi* Office. Ph: 2740406 Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph:0522-2614655
DESIGNED BY HAMID Daliganj Lucknow. Mob: 9415769282

ناقابلِ تلافی نقصان

خوداعتمادی جوانسان کی بہترین دولت ہے، اور ہر زمانہ میں انسان اس سے متمتع ہوتا رہا ہے، یہاں تک کہ قدیم فرمانرواؤں اور ظالموں نے بھی ان سے یہ دولت نہیں چھینی، لیکن نام نہاد "جمہوریتوں" اور "ترقی پسند قیادتوں" نے مسلم اور عرب اقوام کو اس دولت سے بھی محروم کردیا، ان کی خوداعتمادی جاتی رہی، ان کو اپنی صلاحیتوں پر اعتماد ہے نہ اپنی عقل پر نہ اپنی کارگزاریوں پر، طالب علم میں اگر خوداعتمادی نہ ہوتو کتنا ہی ذہین ہو امتحان میں کامیاب نہیں ہوسکتا، فوج کا ایک سپاہی اگر تلوار نہ رکھتا ہوتو کوئی زیادہ فکر کی بات نہیں، بندوق نہ ہو کوئی حرج نہیں، گولیاں ختم ہوجائیں جب بھی پریشانی کی بات نہیں، لیکن اگر اسے اپنے اوپر اعتماد نہ ہو، اپنے اصول ونظریات پر اعتماد نہ ہو، اپنے دین پر اعتماد نہ ہوتو اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔
اس قوم کو پہنچنے والا سب سے بڑا نقصان یہی ہے، جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ — اشاعت کا ۴۳واں سال

جلد نمبر ۴۳ — ۲۵ر جولائی ۲۰۰۶ء مطابق ۲۸ر جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — شمارہ نمبر ۱۸

زیر سرپرستی:
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)
پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال، ندوۃ العلماء)

زیر نگرانی
مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی (ناظر عام ندوۃ العلماء)

مجلس ادارت
مدیر عام: شمس الحق ندوی
مدیر مسؤل: نذرالحفیظ ندوی
نائب مدیر: محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
☆عبداللہ حسنی ندوی ☆محمد خالد ندوی غازی پوری
☆امین الدین شجاع الدین

زر تعاون
سالانہ ۔/۱۵۰ فی شمارہ ۔/۷
ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک ۔/۳۵ ڈالر
ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayaat
Post Box No.93, Tagore Marg, Badshah Bagh Lucknow-226007
فون (دفتر) (0522) 2741235(Ext) 18

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں، چیک سے بھیجی جانے والی رقم قابل قبول نہ ہوگی۔ اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ میں طبع کراکے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔
Computer Tameer-e-Hayat, Lko. (Hashmat Ali)

اس شمارے میں

شعروادب
نہ جانے کون کہیں سے...... — نعیم صدیقی مرحوم — ۲
غزل — ذوقؔ — ۵

اداریہ
مدارس اسلامیہ کا انسانی کردار — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۳

تذکیرو موعظمت
انسانی کردار کی تشکیل میں... — عطیہ خلیل عرب — ۶

حدیث دل
اہل بیت کی محبت — مولانا عبداللہ حسنی ندوی — ۱۰

عالم اسلام
قاعدہ بغدادی کے کتب سے... — سید احمد ومیض ندوی — ۱۲

وفیات
مولانا محمد عارف سنبھلی... — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۱۶
خصوصیات عارف — مفتی محمد زید مظاہری ندوی — ۱۸
والد ماجد مرحوم...... — حمزہ ندوی — ۲۱

سیروسیاحت
تین دن اردن کی سرزمین میں — پروفیسر محسن عثمانی ندوی — ۲۳

فقہ وفتاویٰ
فقہی مسائل — مفتی محمد طارق ندوی — ۲۶

ہوشیار....
فری میسن کلب — محمد وثیق ندوی — ۲۷

خبرونظر
عالم اسلام کی خبریں — سید جمشید احمد ندوی — ۲۹

حالات حاضرہ
صومالیہ میں اسلامی انقلاب — سلمان نسیم ندوی — ۳۰

آپ کے پتہ کے کنارے خریداری نمبر کے نیچے لال یا کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے۔ لہٰذا جلدی زرتعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ منیجر تعمیر حیات

”نہ جانے کون کہیں سے بلا رہا ہے مجھے“

از .... نعیم صدیقی مرحوم

درونِ دل سے کوئی گدگدا رہا ہے مجھے
جنوں کے حوصلے پھر سے دلا رہا ہے مجھے
نگاہِ رمز کی پھر زد پہ لا رہا ہے مجھے
جلا رہا ہے، لحد سے اٹھا رہا ہے مجھے
نہ جانے کون کہیں سے بلا رہا ہے مجھے

وہ کوئی ہے جو صبا بن کے سرسراتا ہے
وہ کوئی ہے جو کلی بن کے مسکراتا ہے
وہ کوئی ہے جو کرن بن کے جھلملاتا ہے
وہ بے نیاز دو عالم بنا رہا ہے مجھے
نہ جانے کون کہیں سے بلا رہا ہے مجھے

عجیب چشمکیں جادو بھری ستاروں کی
یہ کوہساروں میں آواز آبشاروں کی
کسی پیام سے بوجھل ہوا چناروں کی
کوئی تصور رنگیں ستا رہا ہے مجھے
نہ جانے کون کہیں سے بلا رہا ہے مجھے

وہ اک لطیف تپش، دل کی ٹھنڈی ٹھنڈی جلن
کنارِ جوئے رواں، درمیان سرود سمن
سلا گئی تھی مجھے جس کی میٹھی میٹھی چبھن
وہی مہین سا کانٹا جگا رہا ہے مجھے
نہ جانے کون کہیں سے بلا رہا ہے مجھے

یہ اک ہجوم بتاں، دوستوں کی بزم فراغ
ستارے بن کے چمکنے لگے ہیں سارے ایاغ
یہ ایک لمحہ، کہ دل پر نہیں گرفت دماغ
یہاں یہ کون کچوکے لگا رہا ہے مجھے
نہ جانے کون کہیں سے بلا رہا ہے مجھے

یہ زعم تھا کہ لگی کو بجھا بھی سکتا ہوں
ہو بے خودی تو خودی کو بچا بھی سکتا ہوں
میں یاد کرکے کسی کو بھلا بھی سکتا ہوں
وہ ٹوٹتا ہے جو اک ادّعا رہا ہے مجھے
نہ جانے کون کہیں سے بلا رہا ہے مجھے

ستم کشیدۂ ادوارِ آسماں ہوں میں
الم چشیدۂ یک عمر رائگاں ہوں میں
ہے غم گواہ کہ ہر غم کا رازداں ہوں میں
یہ اور غم ہے جواب کی گھلا رہا ہے مجھے
نہ جانے کون کہیں سے بلا رہا ہے مجھے

یہ بے صدا سا پیام، اس پہ والہانہ اٹھوں
تقاضا ہے کہ بہ اسلوبِ عاشقاں اٹھوں
رضا میں ڈوب کے بے عذر و بے بہانہ اٹھوں
کہ جیسے وعدہ کوئی یاد آرہا ہے مجھے
نہ جانے کون کہیں سے بلا رہا ہے مجھے

مدارس اسلامیہ کا انسانی کردار

از .... حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ممتاز اہل حدیث عالم مولانا عبدالوہاب خلجی کی دعوت پر ۱۵،۱۶؍جولائی کو ہمدرد کنونشن سنٹر دہلی میں مدارس اسلامیہ کا انسانی کردار کے موضوع پر ایک نمائندہ کانفرنس ہوئی تھی اس کانفرنس میں کلیدی خطبہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے دیا تھا، اب یہ مقالہ افادۂ عام کی غرض سے بطور اداریہ پیش کیا جارہا ہے۔

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين خاتم النبيين سيدنا محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين أما بعد:

یہ اجتماع وقت کے ایک اہم موضوع پر منعقد ہورہا ہے، یہ موضوع مدارس اسلامیہ کے تحفظ و دفاع اور استحکام نیز ان کی ملی اور انسانی خدمات کی وضاحت کا ہے، یہ موضوع امت اسلامیہ کی حیثیت اور خصوصیت کے صرف تحفظ اور بقاء کے اسباب ہی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس میں انسانی اعلیٰ صفات کو ہمارے اس نظام تعلیم میں جو اہم جگہ دی گئی ہے، اور اس سے انسانی اقدار و صفات کو جو فروغ حاصل ہوتا ہے اس کو بھی اس میں پیش کرنا مقصود ہے۔ مدارس اسلامیہ کے سلسلہ میں شکوک و شبہات ابھارے جانے کا جو سلسلہ چلایا جارہا ہے اس کے ازالہ کے لئے اس میں ضروری بات رکھی جائے گی۔

مدارس اسلامیہ جن کو مدارس عربیہ کے لفظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، وہ کوئی صرف سرسری اور معمولی مقصد اور طریقۂ کار اور صرف کسی محدود وقتی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک اعلیٰ مقصد اور اس کے لئے طویل تجربہ کے نتیجے میں عمل درآمد کرنے کے لئے کوشش کا ذریعہ ہیں۔ یہ مدارس ایک عظیم تاریخ اور اعلیٰ انسانی پیغام کے حامل ہیں، ان کو جو لوگ شک کے ساتھ اور منفی انداز سے دیکھتے ہیں، وہ دراصل تعلیم کے جدید مروجہ نظام کو ہی سب کچھ سمجھ لینے کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ تعلیم کے اس جدید مروجہ نظام کی ترویج برطانوی سامراج نے صرف ملک کے عوام کے فائدہ ہی کے لئے نہیں، بلکہ اس میں اس نے اپنی مادی اور حکومتی مصلحت کو اور اپنی برتری اور اپنی تہذیب کی وقعت ذہنوں میں بٹھانے کا مقصد بھی پیش نظر رکھا تھا، چنانچہ اس کو اس کے اس نظام تعلیم کے ذریعے اپنے سامراج کو مضبوط بنانے کے لئے اعوان و افراد بھی حاصل ہوئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس نظام میں خوش حال زندگی گزارنے کے لئے جس علم اور جن ذرائع سے واقفیت کی ضرورت ہے ان کا خاص لحاظ رکھا گیا، جس کی وجہ سے اس میں کشش پیدا ہوئی، اور اس کو رواج حاصل ہوا، اور اس سے زندگی کو خوش حال بنانے اور دنیوی ترقی کے ذرائع اختیار کرنے کا راستہ بھی کھلا، جو اپنی جگہ پر ایک مفید مطلب کام ہوا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی پیدا کیا گیا کہ تعلیم کا اسلامی نظام جو اب تک رائج رہا ہے، اور اس کو باہمت حضرات قائم رکھتے رہے ہیں، اس کو غیر ضروری سمجھا جانے لگا، حالانکہ وہ نظام، جدید نظام آنے تک زندگی کی معاشی ضرورت بھی پورا کرتا تھا، اور مزید یہ کہ اس میں انسانی اقدار و صفات کا خصوصی لحاظ رکھا جاتا تھا۔ جدید نظام تعلیم میں انسانی اقدار و صفات کو پیدا کرنے کی طرف توجہ کم دی گئی، ان کی جو جگہ سوشل و سماجی علوم کے شعبہ میں ہے، اس میں بھی مادی نقطۂ نظر ہی حاوی رہا، جس سے ہماری اسلامی اقدار کو نقصان پہونچا۔

ہمارا جدید عصری نظام تعلیم جو اصلاً بیرونی طاقتوں کے اہل فکر و ماہرین تعلیم کے ذریعہ بنایا ہوا ہے، وہ ہماری مادی بہتری اور ترقی کے لئے تو پوری فکر کرتا ہے، لیکن اسلامی کردار کے اعلیٰ مقصد کی طرف توجہ کرنے کی کوئی بڑی ضرورت نہیں سمجھتا، بلکہ ایک طرح سے اس کو ایک بے ضرورت بات سمجھتا ہے، لہٰذا ہمارا اسلامی نظام تعلیم اس جدید نظام تعلیم کے لوگوں کی نظروں میں اجنبی بن گیا، اور اسے اعتراض کی نظروں سے دیکھا جانے لگا، حالانکہ انسانیت کی اعلیٰ صفات کی اہمیت کو ماننا چاہئے تھا، وسائل زندگی میں جو ترقیات ہوئی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں ان کی اہمیت کو پوری طرح تسلیم کرتے ہوئے اسلامی بنیادی تعلیمات، انسانی اقدار اور سماجی سدھار کے ان پہلوؤں کو بھی نئے نظام تعلیم میں شامل کیا جانا چاہئے تھا جن کی حفاظت ہمارے قدیم نظام کی درسگاہیں کررہی ہیں۔

اس وقت بھی یہ زیادتی ہورہی ہے کہ مدارس اسلامیہ کی اہمیت کو نہ ماننے والے حضرات ہمارے مدارس اسلامیہ کی جو انسانیت کی اعلیٰ اقدار کی حفاظت و تقویت کے داعی

زندگی کی انسانی قدریں وہ قدریں ہیں جن کو دنیا میں مادی برتری رکھنے والے سامراجی نظام نے اپنے نظام تعلیم میں شامل کرنا نہ صرف یہ کہ غیر ضروری سمجھا، بلکہ اپنے ہیں، اوران کو تعلیمی نظام میں مناسب جگہ دینے پر عامل ہیں، بار بار مذمت کرتے ہیں۔ اوران کو اور انسانی کردار کی ضرورت کو پوراحق زندگی کی انسانی قدریں وہ قدریں ہیں جن کو دنیا میں مادی برتری رکھنے والے سامراجی نظام تعلیم کو جو بہت مقصدیت والا اور انسانی کردار کی ضرورت کو پورا حق خالص مادی، بلکہ استعماری مقاصد کے حصول میں ان کو رکاوٹ کا باعث سمجھتا ہے، لہذا ہمارے اسلامی نظام تعلیم کو جو بہت مقصدیت والا اور انسانی کردار کی ضرورت کو پوراحق دینے کی کوشش کرنے والا ہے، تحقیر وتنقیص بلکہ مذمت کا مستحق بنادیا ہے، اور میڈیا کے ذریعے اس کو اور اس کے پروردہ لوگوں کو ان اصطلاحات سے موسوم کرنے لگا جن سے اس کی تحقیر لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے، چنانچہ ان کے اس طرز عمل کے نتیجہ میں ان اعلی انسانی اقدار کو کبھی قدامت پرستی اور کبھی بنیاد پرستی کی اصطلاحات سے مذمت کے انداز میں ذکر کیا جانے لگا۔ چنانچہ ان کی ان اصطلاحات کی بنیاد پر ہماری ان انسانی اقدار کی حامل درسگاہوں کو مروجہ ترقی پسند جدید مقاصد کے لئے رکاوٹ قرار دیا جانے لگا، اور پھر بعض انفرادی یا مقامی سطح کے تخریبی واقعات کو ان مدارس کی طرف منسوب کر کے ان کو تشدد پیدا کرنے کی جگہیں قرار دیا جانے لگا، حالانکہ اگر دیانت داری کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو ہمارے اسلامی مدارس سے استفادہ کرنے والا کوئی شخص اگر کسی تخریبی واقعہ میں ملوث پایا جاتا ہے تو اس سے کئی گنا تعداد میں عصری درسگاہوں سے استفادہ کرنے والے افراد اپنے اپنے حلقوں میں پائے جاتے ہیں، ہمارے مدارس اسلامیہ میں جس پُرامن طریقے سے طلبہ کا نظام چلتا ہے، اس کو دیانت داری سے اگر دیکھا جائے تو وہ عصری درسگاہوں کے مقابلے میں بہت زیادہ قابل قدر اور قابل تعریف نظر آئے گا۔

مزید یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ برصغیر کو سامراجی طاقتوں سے آزاد کرنے کے لئے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے شانہ بشانہ کوشش کرنے میں ہمارے مدارس اسلامیہ کے لوگ ذرا پیچھے نہیں رہے، سامراجی طاقت نے ان کو جتنا اپنا دشمن سمجھا، اور جتنی بڑی تعداد میں ان کے لوگ پھانسی پر چڑھائے گئے ان کے مقابلے میں عصری نظام تعلیم کے افراد وتعداد میں ان سے بہت کم نظر آئیں گے، پھر ملک کے عوام کے اخلاق وسیرت اور انسانی کردار کو سنوارنے میں جو کوششیں ہمارے مدارس اسلامیہ کے فرزندوں کی رہی ہیں، ان کے مقابلے میں دوسرے نظام تعلیم میں بہت کم نظر آئیں گی۔

ہمارے مدارس اسلامیہ آسمانی کتاب قرآن مجید اور اپنے رسول مقبول (ﷺ) کے کلام وسیرت، حدیث شریف کو جس طرح پڑھاتے اور ان سے جو رہنمائی ملتی ہے، اس کے مطابق تلقین وتربیت کرتے ہیں، اس سے انسانی کیرکٹر کی انسانی بنیادیں اور نیک اور اعلی اقدار ان پڑھنے والوں کے دلوں میں جاگزیں ہوتی ہیں، اسلامی تعلیمات میں پُرامن رہنے اور دیگر انسانوں کے ساتھ اخلاق ومحبت برتنے کی طرف جو توجہ دلائی جاتی ہے، وہ انسانی زندگی کی صالح تعمیر کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

ملک کے آزاد ہونے اور سامراجی نظام کے ختم ہو جانے کے بعد ضرورت تھی کہ ملک وملت کی اعلی قدروں کو اور اخلاقی طرز عمل کو اہمیت دینے کا جو تقاضہ ہمارے مدارس اسلامیہ پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کو ہمارے عصری نظام تعلیم کے مراکز بھی اختیار کرتے، اور نصاب تعلیم میں اس کا ضروری حصہ مقرر کرتے، نیز سماجی مضامین جو مغرب کے مادی ذہن رکھنے والوں کا ترتیب دیا ہوا ہے، ان کی اپنی ملت کے صالح ذہن کے مطابق تشکیل جدید کرتے، اس طرح قدیم نظام تعلیم اور جدید نظام تعلیم ایک دوسرے سے قریب بلکہ ہم آہنگ ہو جاتے، اور نظام تعلیم کی وہ دوری جو سامراج کے قبضہ سے پیدا ہوگئی تھی، دور ہو جاتی، لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا، بلکہ سامراج کا شروع کیا ہوا طریقہ کار کچھ زیادہ نہیں بدلا، اس کے نظام فکر وعمل کی پسندیدگی اسی انداز سے قائم ہے۔ چنانچہ ہمارے مدارس اسلامیہ جن خوبیوں کے حامل ہیں، اور انسانی خصوصیات کو مضبوط بنانے اور قوم کی تشکیل میں ان کو سمونے کے لئے جس طرح کوشاں ہیں، ان کی مذمت کی جاتی ہے، بلکہ سامراجی طاقتیں جس طرح برے برے ناموں سے ان کا ذکر کرتی ہیں، ہمارے ہم قوم قائدین کی طرف سے بھی ہونے لگتی ہیں، اور یہ ایک بہت افسوس کی بات ہے کہ غیر تو غیر اپنے بھی اپنے کو برا سمجھنے لگیں، اور اپنے اچھے پہلوؤں کو بے سوچے سمجھے نظر انداز کرنے لگیں۔

ہم ان اصطلاحات پر نہ جائیں جو سامراجی ذہن کے لوگوں کی طرف سے ہمارے مدارس اسلامیہ کے فرزندوں کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، یہ ہمارے مدارس اپنے مادی وسائل کی سطح کے لحاظ سے تو کمزور ہیں، لیکن اپنے مقصد کے لئے کوشش کرنے میں کوتاہ نہیں ہیں، اور اپنی قوم کے اخلاق وسیرت کو صحیح بنانے اور ان میں خوبی پیدا کرنے میں ان کا بنیادی اور بہت بڑا حصہ ہے، اس بات کو ہمارے ملک کے قائدین کو اور دانشوروں کو سمجھنا چاہئے، اور ان مدارس کی جو اہمیت اور جو کردار ہے اس پر پردہ نہ ڈالنا چاہئے، بلکہ قوم وملک کی ترقی میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

رہا یہ مسئلہ کہ ان مدارس کے نظام میں حالات حاضرہ کا لحاظ رکھنے کا پہلو کمزور ہے، جس کو دور کرنے اور وقت کے تقاضے کے مطابق کرنے کی ضرورت ہے، تو اس کے سلسلہ میں جتنی بات واقع کے مطابق ہے وہ مدارس اسلامیہ کے ذمہ داروں کے ذہنوں سے ضروری ردوبدل کی اہمیت کو سمجھتے ہیں، وہ حالات کے لحاظ سے بہر حال ردوبدل سے گزرتا ہے، اور مدارس اسلامیہ کے ذمہ دار بھی ضروری ردوبدل کی اہمیت کو سمجھتے ہیں، اور اس کی طرف توجہ کا لحاظ ان کے پیش نظر رہتا ہے، اور اسکے لئے گنجائش پر غور بھی ہوتا ہے۔

بہر حال یہ ضروری ہے کہ مدارس اسلامیہ کی اہمیت کو سمجھا جائے، اور ان کی اہمیت کے مطابق ان کی ہمت افزائی کی جائے، اور ان سے جو فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے وہ اٹھایا جائے، اور ان کا ملک وملت کی تعمیر میں جو حصہ ہے، اور انسانی اقدار کو تقویت پہونچانے اور ان کی طرف توجہ دلانے کے سلسلہ میں ان کا جو کردار ہے، اس کی قدر کی جائے۔

یہ مدارس اپنا ایک اہم اور خصوصی کردار رکھتے ہیں، اور ملک وملت کا انسانی واخلاقی لحاظ سے جو خصوصی مقام ہے اس کو اس خصوصی مقام تک پہونچانے میں ان کا اہم حصہ ہے، اور مسلمانوں کے معاشرہ میں جو اسلامی اقدار کا لحاظ جہاں جہاں پایا جاتا ہے، تحقیق کی جائے گی تو وہ اسلامی مدارس کے تعلیم یافتہ لوگوں کے اثر سے پیدا ہوا ملے گا، اور جہاں اسلامی مدارس کے تعلیم یافتہ کا گذر ہی نہ ہوا ہو وہاں کا معاشرہ اسلام کی بنیادی باتوں سے بھی ناواقف ملے گا، بلکہ زندگی کا ایسا طرز ملے گا کہ وہ کسی بھی غیر مذہب یا غیر تہذیب کی چھاپ رکھتا ہوگا، بلکہ ملحد اور بے دین ہوگا، اور اسلامی اثر سے بالکل خالی ہوگا، اس طرح اسلامی اقدار کی اہمیت ماننے والے حضرات کے لئے اسلامی مدراس کی افادیت کو سمجھنا کچھ مشکل نہ ہوگا۔

آج کل کے سنگین حالات میں ہماری ملت اسلامیہ کے لئے خاص طور پر اس بات کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ وہ مدارس کی اہمیت کو خود بھی سمجھیں اور انسانی کردار کی تشکیل وتعمیر میں ان کی جو بنیادی اہمیت ہے اس سے غیر مسلموں کو بھی واقف کرائیں، اس سے قوم کی صحیح تعمیر کا راستہ بنتا ہے اور اس کے اعلی مقام کی طرف اس کی پیش قدمی میں مدد ملتی ہے۔

یہ ہمارے مدارس اسلامیہ ہی ہیں جنہوں نے ملک کے اپنے عوام کو صدیوں انسانی اقدار کے راستہ پر چلایا ہے، جس سے روگردانی کی فضا سامراجی ملکوں کے اصحاب کے دیئے ہوئے نظام تعلیم کے اثر سے قائم ہوئی، جس کے دور کرنے کی ہم سب کو کوشش کرنا چاہئے۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

غزل

از .... ذوق

ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہادیں
شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

ہستی سے زیادہ کچھ آرام عدم میں
جو جاتا ہے یاں سے وہ دوبارہ نہیں آتا

ساتھ ان کے ہوں میں، سایہ کی مانند ولیکن
اس پر بھی جدا ہوں کہ لپٹنا نہیں آتا

دنیا ہے وہ صیاد کہ سب دام میں اس کے
آجاتے ہیں لیکن کوئی دانا نہیں آتا

جو کوچۂ قاتل میں گیا پھر وہ نہ آیا
کیا جانے مزہ کیا ہے کہ جینا نہیں آتا

قسمت ہی سے لاچار ہوں اے ذوق وگرنہ
سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

☆☆☆☆☆

تذکیر و موعظت

انسانی کردار کی تشکیل میں
قلب سلیم کی اہمیت

(قرآن وسنت کی روشنی میں)

از.................. عطیہ خلیل عرب

محترمہ ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب کا شمار اس وقت اسلامی دنیا کی ان ممتاز خواتین میں ہوتا ہے جو پختہ علمی صلاحیت، اور صلاح وتقویٰ کے اعتبار سے منفرد ہیں، وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نامور استاذ خلیل عرب صاحب کی صاحبزادی ہیں، پاکستان میں وہ کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کی صدر رہ چکی ہیں، سعودی عرب کی درسگاہوں میں برسوں انہوں نے پڑھایا ہے، آج کل وہ اپنے فرزند کے پاس دبئی میں مقیم ہیں اور اپنے مبارک وجود سے وہاں کی خواتین کے سامنے دینی اور علمی موضوعات پر محاضرات دیتی رہتی ہیں، محترمہ نے تعمیر حیات کے لئے خاص طور سے یہ مضمون بھیجا ہے، ادارہ ان کے اس عطیۂ خاص پر شکر گزار ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین﴾ (الانعام،۶:۷۹)

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعتراف بندگی ہے، وہ سرگرداں رہے، ستارے، چاند، سورج سب میں حق کو تلاش کرتے رہے، سورج طلوع ہوا، بولے ﴿هذا ربی هذا اکبر﴾ کیا یہ میرا رب ہوسکتا ہے یہ سب سے بڑا ہے؟ وہ بھی ڈوب گیا تو پکار اٹھے (اے میری قوم: میں ان سب سے بیزار ہوں جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے، میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کرلیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے، اور میں ہرگز مشرکوں میں سے نہیں ہوں)۔ یہ اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونے کا اعلان بتا رہا ہے کہ دل کی خلش دور ہوگئی، اگرچہ ابھی نبوت نہیں ملی تھی۔ ہاں، حضرت ابراہیم میں یکسوئی اور کمٹمنٹ کی اسپرٹ ضرور پیدا ہوگئی تھی۔ اَن دیکھے، اَن جانے اللہ کے ساتھ شرک سے بیزاری کا اعلان تو وہ کرہی چکے تھے، طلب صادق تھی۔ رب کا پیغام آگیا:

﴿اذقال له ربه اسلم،قال اسلمت لرب العلمین﴾ اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے حکم دیا: مسلم ہوجاؤ (سرتسلیم خم کرتے ہوئے) بولے میں اس ہستی اللہ کے لئے مسلم ہوا (سراپا اطاعت وبندگی ہوں) جو رب العالمین ہے)۔

یہ تھا حضرت ابراہیم کی بندگی کا قرینہ۔ یہ کردار صرف اسی کا ہوسکتا ہے جس کا دل (قلب سلیم) ہو اور وہ بلاحیل وحجت عقیدۂ توحید کے ساتھ اپنا آپ اور اپنا سب کچھ خوشی خوشی مالک کے حوالے کردے اور وفاداری کا عزم بھی رکھتا ہو۔

اگر ہم بھی اپنی زندگی کو بندگی بنالیں، اور اللہ رب العالمین کے ساتھ عہد وفا کی تجدید کرلیں، اس سے پیار کریں تو:

عشق وہ کار مسلسل ہے کہ ہم اپنے لئے
ایک لمحہ بھی پس انداز نہیں کرسکتے

اس کیفیت عشق الٰہی میں زندگی کا لطف ہی کچھ اور ہوگا، حضرت ابراہیم کو دنیا کی نہیں حق کی تلاش تھی ان کے بارے میں ارشاد ہوا: وہ قلب سلیم لے کر اپنے رب کے پاس آیا﴿وان من شیعته لابراهیم اذ جاء ربه بقلب سلیم﴾ یہ ہے ابراہیم علیہ السلام کے صاحب قلب سلیم ہونے کی تصدیق کا ان کے رب کی طرف سے پروانہ، پھر وہ ساری زندگی اپنے رب کے وفادار رہے۔

ان کو اپنا رب مل گیا لیکن سچی محبت کہئے یا حب صادق، آزمائش کی کسوٹی پر ضرور پرکھی جاتی ہے، اب باپ اور قوم سے پھر مقابلہ شروع ہوا، بت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی، بت شکن بیٹے نے باپ کو بت تراشی سے روکا، بت پرستی کو شرک قرار دیا اور توحید کی تبلیغ کی تو قوم اور بادشاہِ وقت نمرود سب دشمن ہوگئے، آگ میں ڈالے گئے:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

عالم بالا سے دوست کے لئے حکم ہوا﴿یا نارکونی برداً وسلاماً علی ابراهیم﴾ اے آگ! ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہوجا (ایسی بھی سرد نہ ہو کہ برف بن جائے) جگہ جگہ حضرت ابراہیم کے مسلم کردار کی مثال دی گئی، کہیں ان پر سلام بھیجا﴿وسلام علی ابراهیم﴾ اور کبھی ان کے ادائے بندگی پر شان کریمی کے ساتھ ناز فرمایا، لخت جگر کی قربانی کی فرمائش ہوئی باپ بیٹے میں مکالمہ ہوا دونوں ہی حق پرست اور مسلم تھے۔ اس امتحان میں بھی پورے اترے، دراصل حضرت ابراہیم کو رب کی تلاش ہی نہیں تھی، رب سے بے حد پیار بھی تھا، اپنی جان مال اولاد سب اس پر قربان کرنے کا حوصلہ ان کو اس قلب سلیم نے دیا تھا جو وہ اپنے رب کے حضور لے کر حاضر ہوئے تھے﴿اذا جاء ربه بقلب سلیم﴾:

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

یہ عظیم کردار قرآن مجید میں بار بار دہرایا گیا ہے، اور بڑے ناز سے دوست کو یاد فرمایا﴿سلام علی ابراهیم، انا کذلك نجزی المحسنین﴾ ہمارا سلام ہو ابراہیم پر ہم نیکوکار بندوں کو یونہی اجر سے نوازا کرتے ہیں۔

ہم اپنے اپنے قلب کا جائزہ لیں کہ ہمارے دل میں اللہ ورسول کی محبت کتنے فیصد ہے؟ اور کیا ہمارے دل میں وہ جوہر قابل ہے جو اسے قلب سلیم بنا سکے؟ حضرت ابراہیم اپنے رب کی رضا، اس کی خوشنودی کے لئے اس کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے، انہیں دنیا سے کوئی غرض نہ تھی اور ہم کیا ہیں؟ ہم صرف دنیا کے چند روزہ عیش وعشرت میں گم ہیں، کاش! ہم بھی رب آشنا ہوں۔ اس سے لو لگا کر اپنے خود ساختہ بتوں کو توڑ کر تو دیکھیں، ہمارے بت ہمارے نفس کی خواہشات، مال واولاد اور اس فانی دنیا کی محبت ہے جو ہمیں اپنے رب سے دور تر کردیا کرتی ہے، ہم تو زندہ ہیں لیکن ہمارا ضمیر سویا ہوا ہے اور ہمارا دل مرچکا ہے:

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے

سورۂ حج میں ارشاد ہوا (کیا وہ زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے تاکہ ان کے دل بھی عقل سے کام لیں، پس، ایسا تو نہیں ہے کہ ان کی وہ آنکھیں اندھی ہوگئی ہوں، جو ان کے چہرے پر ہیں، بلکہ ہوا تو یوں ہے کہ ان کے دلوں کی بینائی غارت ہوگئی جو ان کے سینوں میں دھڑک رہے ہیں) بصارت کا تعلق ظاہری آنکھوں سے ہے جب کہ بصیرت چشم دل کی روشنی ہے:

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو، دیدۂ دل وا کرے کوئی

دل محض زندگی کی علامت بن کر رہ جائے تو ایسا دل ہر جاندار مخلوق کے سینے میں ہوتا ہے، بات انسان کے قلب سلیم کی ہو رہی ہے جو بارگاہ رب العزت میں پیش کیا جاسکے، لازم ہے کہ وہ دل، دل بیمار نہ ہو، غیر اللہ کی محبت میں گرفتار نہ ہو، کسی کی زلف کا اسیر نہ ہو، مال اور اولاد کی محبت میں اندھا نہ ہوگیا ہو، بات بہت صاف ہے کہ اللہ رب العزت خود پاک ہے، بے عیب ہے تو وہ کوئی ناپاک اور عیب دار دل کیوں قبول فرمائے گا؟ بلکہ اس دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت بسی ہونی چاہئے۔

جب تک مسلم کے دل میں محمد رسول اللہ کی محبت اپنی جان اور اپنے والدین، اولاد اور سب سے زیادہ نہ ہو، اس کا ایمان کامل ہوگا نہ اس کا دل قلب سلیم بن سکے گا، ہماری محدود قرآنی فکر کے مطابق قرآن مجید میں صرف دو جگہ (قلب سلیم) آیا ہے، ایک تو حضرت ابراہیم کا دل اور دوسری جگہ (سورۂ رمز میں)﴿یوم لاینفع مال ولا بنون، الا من اتی الله بقلب سلیم﴾ اور دونوں ہی بڑے اہم مقامات ہیں، خلیل اللہ کی عظمت اور ادائے بندگی ان ہی کا حصہ تھا:

﴿واذا ابتلیٰ ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن قال انی جاعلك للناس اماماً﴾

یاد کرو، جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا، اور وہ ان سب میں پورے اترے تو ان کے رب نے کہا، میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں، (سورۂ بقرہ آیت ۱۲۴) جیسا کہ ذکر ہوا حضرت ابراہیم تمام سخت ترین آزمائشوں سے گذرے اور اپنے آپ کو بنی نوع انسان کی امامت کا اہل ثابت کردیا، جب ان پر حق روشن ہوا اس وقت سے مرتے دم تک قربانی اور ایثار ہی میں ان کی زندگی گزری اور راہِ حق میں کہیں ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی، جس چیز سے دنیا میں انسان محبت کرتا ہے ان میں ایسی کوئی نعمت نہیں جو ابراہیم علیہ السلام نے راہ حق میں قربان نہ کردی ہو:

یہ بڑے کرم کے فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

یا یوں سمجھے کہ: (عشرتِ قطرہ ہے، دریا میں فنا ہوجانا) وہ عظیم ہستی اپنے رب کی رضا میں فنا ہوتی رہی، اور ہم اس فانی دنیا کی چکاچوند میں اپنی آنکھوں کی روشنی کھو بیٹھے ہیں تو دل کی دنیا کیونکر روشن ہوگی اور بصیرت کہاں نصیب ہوگی جو ہمارے دل کو اس قابل بنادے کہ وہ قلب سلیم ہوجائے۔

دل کی اہمیت

دل کا انسانی جذبات سے بڑا گہرا تعلق ہوا کرتا

ہے اسی لئے ہم شعراء کا کلام سن کر بے اختیار واہ، واہ کرتے ہیں، کیونکہ اکثر شعراء کی شاعری اپنے دل کی ترجمانی لگتی ہے، اور شعراء نازک مزاج وحساس ہوا کرتے ہیں اور دل کی بازی ہار جاتے ہیں، پھر دل کا ماتم بھی کرتے ہیں، مرزا غالب کا شعر ہے:

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

غالب ہی کہتے ہیں:

نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

ایک اور شعر ہے:

کاروبار شوق میں حد سے گزرنا عشق ہے
دل کا سودا ہو تو پھر سود و زیاں دیکھے گا کون

علامہ اقبال کہتے ہیں:

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

صرف شعراء ہی نہیں عام لوگ بھی اپنے اپنے پہلو میں حساس دل رکھتے ہیں مثلاً انسانی ہمدردی کا جذبہ رکھنے والا دل جس انسان کے سینے میں ہوگا وہ ہر مصیبت زدہ پر ترس کھا کر اس کے کام آئے گا اس لئے کہ نیک طینت انسان کو اس کا دل نیکی کی طرف بلائے گا اور سنگ دل انسان کی سنگ دلی اسے درندہ صفت بنانے میں دیر نہیں کرتی۔ بلکہ اکثر درندے بھی اس کی درندگی پر شرما جاتے ہوں گے، ایسے واقعات ہمارے مسلم معاشرے میں آئے دن ہوتے رہتے ہیں، یہ شیطانی رویہ انسان کو شیطان بھی بنا سکتا ہے۔

اسی طرح محبت کا ہو یا نفرت کا جذبہ دل ہی میں پیدا ہوتا ہے، ہم اپنی روزمرہ زندگی میں بار بار کہا کرتے ہیں فلاں چیز کھانے کو جی چاہ رہا ہے، یا فلاں شخص ہمیں بہت عزیز ہے، اس سے مل کر ہمارا دل خوش ہو جاتا ہے، یا یہ کہ فلاں کی زبان بڑی خراب ہے اس سے تو بات کرنے کو دل نہیں چاہتا، یہاں تک کہ خوشی ہو یا غم سب سے پہلے ہمارا دل ہی اس کا اثر لیتا ہے تو ہم خوشی میں مسکراتے اور غم میں آنسو بہاتے ہیں:

علامہ اقبال کہتے ہیں:

کیا لطف انجمن میں جب دل ہی بجھ گیا ہو؟

ہمارا روز کا مشاہدہ ہے اور ہر خاص وعام جانتا ہے کہ ہمارے جسم میں دل کی بڑی اہمیت ہے، وہ دھڑکتا رہے تو ہمارے زندہ ہونے کی علامت ہے، دیگر اعضاء میں دل کو بنیادی اہمیت وحیثیت اسی لئے دی جاتی ہے کہ اگر کسی مریض کے تمام اعضائے رئیسہ جواب دے جائیں لیکن دل حرکت کرتا رہے تو اطباء اور عزیز واقارب سانس کے ساتھ آس قائم رکھتے ہیں، اس کے برعکس اگر کسی صحت مند انسان کی بھی اچانک حرکت قلب بند ہو جائے تو وہ فوراً مر جاتا ہے۔

قلب سلیم قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں

ارض وسماء کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

قلب سلیم کی تعریف یہ ہے کہ شرک سے قطعی طور پر پاک ہو، نفرت، حسد، بغض وعداوت، انتقامی جذبات، حرص وہوس نہ رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہی دل صحیح سلامت دل ہے، جس میں اسلام کے لئے کوئی شک یا شبہ نہ ہو ہر حکم پر سر تسلیم خم ہو جس میں کسی قسم کا روگ نہ لگا ہو، کوئی بیماری نہ ہو، مثلاً حسد کو بھی اسلام کی اخلاقی اقدار کی روشنی میں دل کی بیماری بتایا گیا ہے، حدیث شریف میں یہ تک ملتا ہے کہ (حسد نیک اعمال کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا لیتی ہے) اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر بھلائی یا برائی کی نیت یا ارادے کا مرکز ہمارا دل ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لوگو! یاد رکھو دلوں کو بھی اسی طرح زنگ لگ جایا کرتا ہے جیسے لوہے کو لگتا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ پر ہماری جان وماں باپ قربان: لوہے کا زنگ اُتارنا تو ہم جانتے ہیں یہ دلوں کا زنگ کس طرح دور ہوگا؟ ارشاد ہوا کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت اور موت کی یاد سے، غور کریں تو حقیقت میں دنیا کی چکاچوند اور مال واولاد کی محبت ہم کو قرآن کریم اور موت سے غافل کر دیا کرتی ہے اسی لئے قرآن کریم ہماری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتا اور ہوش میں لاتا ہے، ارشاد ہوا۔

﴿ولا تغرنكم الحيلة الدنيا ولا يغرنكم بالله الغرور﴾ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی تم کو دھوکے میں ڈال دے اور یہ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ شیطان تم کو دھوکا یا فریب دے) اقتدار اور دولت کا نشہ ہمارے دل کو ذکر وفکر اور روز حساب اور موت کی یاد سے غفلت میں ڈال دیتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ (خبردار رہو جسم انسانی میں ایک گوشت وخون کا ایسا ٹکڑا ہے جو صحت مند یعنی ٹھیک ہو تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر اس میں کوئی خرابی یا فساد پیدا ہو جائے تو سارے جسم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ خبردار رہو کہ وہ دل ہے)

اس کی تشریح یوں کی جا سکتی ہے کہ جب کسی کے دل میں کوئی برا خیال پیدا ہوتا ہے اور عقل پر جذبات غالب آجاتے ہیں تو وہ انجام سے بے خبر ہو کر وہ کام کر بیٹھتا ہے بلکہ نفسیاتی طور پر اس وقت اس کی ساری جسمانی قوتیں دل کی تابع فرمان ہو جاتی ہیں، ہاتھ، پیر اس مقصد کی تکمیل میں اس کے مددگار ہو جائیں گے اس کی بینائی اور سماعت اور قوت گویائی اللہ کی دی ہوئی یہ ساری صلاحیتیں وہ اللہ رب العزت ہی کی معصیت میں صرف کر دیتا ہے۔

دراصل یہاں گناہ یا معصیت کا چھوٹا یا بڑا ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ اہم یہ ہے کہ اس کی عظمت وکبریائی پر غور کرنا چاہئے جس کی معصیت ونافرمانی کی جسارت کی جا رہی ہے!! ہاں اگر دل ہی میں اسی وقت اللہ کا خوف پیدا ہو جائے اور عاقبت کی باز پرس کا خیال آجائے تو وہ گناہ سے باز بھی رہ سکتا ہے۔ لیکن اس کا دارومدار توفیق الٰہی پر ہوتا ہے اور اللہ رب العزت اسی کو نیک توفیق دیتا ہے جو قلب سلیم رکھتا ہو ورنہ اس کا دستور یہ نہیں کہ کسی قوم کو انبیاء کی رہنمائی اور حلال وحرام اور خیر وشر کی تمیز دینے کے بعد زبردستی اپنی طرف بلائے۔ اور اگر وہ شخص خواہش نفس کا بندہ ہے اپنے اللہ کا وفادار بندہ نہیں تو اس کا بیمار دل جو چاہے گا وہی کرے گا۔

ہماری روزمرہ زندگی میں جو دو چیزیں ہمیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں وہ ہماری اولاد اور ہمارا مال ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے قلب سلیم طلب کرتا ہے تاکہ ہم ان دونوں کی محبت میں گرفتار ہو کر آخرت نہ بگاڑ لیں لہٰذا ارشاد ہوا:

﴿يوم لا ينفع مال ولا بنون الا من اتى الله بقلب سليم﴾ (اس دن کو نہ بھولو) جس دن نہ تمہارا مال تمہارے کام آئے گا اور نہ اولاد یہ قیامت کے دن کی بات ہو رہی ہے اگرچہ دنیا میں ہماری بہت سی مشکلات کچھ مال سے آسان ہو جاتی ہیں اور بعض مسائل اولاد حل کر دیتی ہے لیکن قیامت کے دن ان دونوں میں سے کوئی بھی ہمارے کام نہیں آئے گا۔

﴿وتحبون المال حباً جماً﴾ اور تم اپنے مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو ﴿يا أيها الذين آمنوا ان من أزواجكم وأولادكم عدوا لكم فاحذروهم﴾ بلاشبہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش (دین وایمان کی) پس تم ان سے ڈرو ایسا نہ ہو کہ ان کی محبت میں کہ تم اپنا ایمان فروخت کر ڈالو۔ اس لئے کہ اکثر اولاد کی محبت کسی گناہ پر بھی مجبور کر دیا کرتی ہے کہ کسی کا حق مار کر بھی اس کا بھلا ہو جائے تو کوئی بات نہیں لیکن یہی دونوں اس وقت کام نہیں آئے گے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر مال کے ساتھ ساتھ دوسری رشتہ داریوں کی طرف سے بھی ہوشیار کیا گیا ہے کہ ان کے حقوق اپنی جگہ جو ادا کرنا لازم ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم اقرباء پروری یا احباب نوازی کے شوق میں ان کی خوشنودی یا تھوڑی دیر کی (واہ، واہ) کی لالچ میں قیامت کے دن سوال جواب کو بھلا دو، یہی بتانے کے لئے ہوشیار کیا گیا کہ: ﴿لن تنفعكم أرحامكم ولا أولادكم يوم القيامة﴾ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن تمہاری رشتے داریاں اور تمہارے مال ہرگز تمہارے کام نہیں آئیں گے یا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

یہاں ارشاد ہوا ﴿وانه لحب الخير لشديد﴾ (حقیقت بھی یہی ہے کہ) بلاشبہ انسان مال کی شدید محبت میں گرفتار ہے، یہاں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم دنیا ترک کر دیں اور اس کی نعمتوں میں جو ہمارا حق ہے اس سے ہاتھ اٹھا لیں اور اپنے اہل وعیال کو ان کی جائز ضروریات زندگی سے بھی محروم کر دیں، سورہ قصص میں ارشاد ہوا ﴿ولا تنس نصيبك من الدنيا﴾۔

مفہوم یہ ہے کہ (دنیا کی زندگی میں جو تمہارا حصہ یا نصیب ہے اس کو نہ بھولو) ہاں یہ ضرور ہے کہ حرص وحسد اور ہوس زر سے پرہیز کرو، اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ کسی معاملے میں بھی خواہ وہ دنیا کا ہو یا آخرت کا ہمیں انتہا پسندی سے کام نہیں لینا چاہئے، بلکہ اپنی بیوی بچوں کی ناز برداری ضرور کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اگر تمہیں مال ودولت سے نوازا ہے تو قرآن کی روشنی میں (تحدیث نعمت) یعنی اپنے رب کی دی ہوئی نعمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نعمت کا رب کے شکر کے ساتھ اظہار بھی کرو لیکن ہر معاملے میں اعتدال ومیانہ روی اختیار کرنی چاہئے، ارشاد نبوی ﷺ ہے (خیر الامور اعدلھا) سب سے اچھا کام وہ ہے جس میں اعتدال سے کام لیا گیا ہو۔

کسی کی بھی حق تلفی کی اجازت نہیں دی گئی ہے، بلکہ حقوق العباد ادا کرنے کی سختی سے تاکید کی گئی ہے، جو جب تک بندے نہ معاف کر دیں اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرمائے گا، اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ موت اور آخرت کی فکر سے غفلت نہ کی جائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت ملی ہے اس کو یاد رکھنا ضروری ہے اس کو بھلانے کی آخرت میں کڑی سزا بھگتنی پڑے گی وہاں کوئی رشتے داریاں اور مال کام نہیں آئے گا۔

(باقی آئندہ)

حدیث دل

پانچویں قسط

اہل بیت کی محبت

از .... مولانا عبداللہ حسنی ندوی

یہ مضمون مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کے گذشتہ مضامین کا تسلسل ہے، ملاحظہ فرمایئے تعمیر حیات شمارہ ۱۴، ۲۵؍مئی ۲۰۰۶ء۔

اللہ نے انسان کی فطرت میں یہ بات داخل کردی ہے کہ جب وہ کسی کو اپنا بڑا اور محبوب بناتا ہے تو اس محبوب کے تعلق والوں سے بھی اس کو محبت ہوتی ہے، اور اس سے جو چیزیں بھی تعلق رکھتی ہیں ان سے بھی محبت ہوتی ہے، حضرت رسول پاک علیہ السلام سے تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ آپ کے متعلقین سے اور جن چیزوں کا آپ سے تعلق ہے، ان سب سے محبت ہونی چاہئے، آپؐ کے گھر والے ہوں، صحابہ کرام ہوں، آپ جس شہر میں پیدا ہوئے مکہ مکرمہ اور جہاں آپ تشریف فرما ہیں مدینہ پاک ان سب سے محبت ہونی چاہئے، یہ الگ بات ہے کہ یہ مقامات خود باعظمت ہیں، مکہ کی بھی حرمت ہے مدینہ کی بھی حرمت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی تعلق ہے جو آپؐ کے جد اعلیٰ ہیں، اور اسی میں کعبہ بھی ہے جس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی، یہ خدا کا وہ گھر ہے جس کی بنیاد توحید پر رکھی گئی، اس لئے اس سے تعلق ومحبت انسان کی فطرت میں داخل ہے اور ہونا چاہئے۔

لفظ "اھل" کے معنی ومطلب

ہاں یہ غور طلب بات ہے کہ "اھل بیت" میں لفظ "اھل" عربی کا ہے جس کا ترجمہ ہم لوگ اردو میں کرتے ہیں گھر والے اور والا یہ ایک خاص معنی رکھتا ہے، جیسے دودھ والا، تو دودھ والے کا مطلب کیا ہوا؟ جو دودھ کے لئے بھینس رکھتا ہے، بھینسوں کو دوہتا ہے، پھر آکر دودھ آپ کے حوالہ کرتا ہے، آپ پیسے اس کے حوالے کرتے ہیں، جو دودھ لے کر آئے اس کو دودھ والا کہتے ہیں، اسی طرح جو جس چیز کا کاروبار کرتا ہے اس کو والا کہتے ہیں اس طرح یہ لفظ والا کتنے لوگوں کے ساتھ ایسا لگ گیا کہ خاندانی نصب معلوم ہونے لگا حالانکہ اس کے لئے کچھ اوصاف اور کچھ افعال کی ضرورت ہوتی ہے جن کی طرف رہنمائی خود لفظ "اہل" کر رہا ہے اگر اس کو اہل لغت کے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو مندرجہ ذیل امور واضح ہو جاتے ہیں مثلاً۔

وہ آبادی کا سبب ہو بربادی کا نہیں، سکون واطمینان کا ذریعہ ہو، بے چینی وانتشار کا نہیں، اضافہ اور ترقی کا سبب ہو زوال اور تنزلی کا نہیں، قرب اور تعلق کا وسیلہ ہو دوری اور قطع تعلق کا نہیں۔

اردو میں بھی کہتے ہیں اہل وعیال، عیال بڑھا دیا ہے، آپ کے گھر والے تو گھر والے کا مطلب کیا ہوا؟ یہاں بھی وہی ترجمہ کیا گیا گھر والے، گھر والوں میں بیویاں بھی ہیں، اور بچے بھی ہیں، تو کبھی جب گھر والے کہیں گے، تو بیوی مراد ہوتی ہے، اور کبھی گھر والے کہیں گے تو سارے افراد خاندان مراد ہوتے ہیں، تو دونوں ہی مراد ہوتے ہیں، اسی طرح اہل کا لفظ بھی دونوں پر صادق آتا ہے، یعنی گھر کی خواتین اور خاص طور پر اہلیہ اور گھر کے بچے، ناتی پوتے، یہ سب اس میں شامل ہوتے ہیں، لیکن ایک لفظ جس کو ہم بتانے کی کوشش کر رہے تھے وہ یہ ہے کہ جس سے گھر آباد ہو، اس کو اہل کہیں گے، اور جس سے گھر برباد ہو وہ اہل میں نہیں ہے بلکہ اہل سے نکل جاتا ہے، اس لئے جب کوئی اپنے گھر میں کسی کو بیاہ کر کے لاتا ہے تو اس کا نام ہوتا ہے "اھلیہ"۔ گھر والی لیکن جب وہ غلط کام کرتی ہے، اور شوہر کی اطاعت نہیں کرتی اور بھی برے کام کرتی ہے تو شوہر غصہ میں آکر اس کو گھر سے نکال دیتا ہے، اس کو کہتے ہیں طلاق دے دی، معلوم ہوا کہ پہلے تو وہ اہلیہ بنی لیکن اہلیت کا ثبوت نہیں دیا تو اس کو گھر سے خارج کر دیا گیا اب وہ اہل نہیں رہی، تو اس سے محبت بھی ضروری نہیں، رشتہ ہو جانے کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ دل کچھ اس کی طرف مائل بھی ہو، لیکن اس سے تعلق نہیں رکھا جائے گا اور اگر دل چاہے بھی تو دل کو روکا جائے گا، قرآن مجید میں حضرت نوحؑ کا قصہ بیان کیا گیا کہ جب ان کا بیٹا طوفان کی لپیٹ میں آگیا تو حضرت نوحؑ کی زبان سے نکلا: یہ میرا بیٹا ہے اور میرے گھر والوں میں سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿انہ لیس من اھلک﴾ نہیں نوح یہ تمہارا اہل نہیں ہے، تو معلوم ہوا کہ جو راستہ پر نہ ہو اس کو ہٹا دیا جائے گا، جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا: اگر وہ گھر والا یا گھر والی صحیح نہیں ہے تو اس کو خارج کر دیا جاتا ہے، جب اہلیت نہیں ہے تو وہ اہل نہیں ہے، اہلیت ضروری ہے، تو یہاں پر اہلیت کیا ہے؟ حضرت نوح کی بات ماننے والا ہوتا، ایمان والا ہوتا تو پھر وہ اہل ہوتا کیونکہ وہ ایمان والا نہیں ہے، ﴿انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح﴾ کہ اس کا عمل بہت خراب ہے، اس لئے وہ تمہارا اہل نہیں ہے، حضرت نوحؑ نے فوراً اللہ سے معافی مانگی کہ ایسی بات میں نے اپنی زبان سے کہہ دی، معلوم ہوا کہ اہل وہی ہوگا جو راستہ پر ہو، تو اہل میں یہ شرط بھی ہے کہ جس سے آبادی ہو بربادی سے ہو، جس سے گھر بنے سنورے، ترقی ہو، زوال نہ ہو اور تنزل نہ ہو۔

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں ہیں

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو یہ تمام اوصاف وکمالات بدرجہ اتم عطا فرمائے تھے، اس لئے گھر والے، خاص طور سے آپ کی ازواج مطہرات، جو ہر گھڑی اور ہر لحہ آپ کی خدمت میں لگی رہتی تھیں، اور آپ کی خدمت کرنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ پوری امت کی خدمت کر رہی ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ تمام انسانوں پر حضرت خدیجہؓ کا احسان ہے تو غلط نہیں ہوگا۔

سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ ہی ہیں جنہوں نے رسول پاک علیہ السلام کی تسلی کا سامان کیا، آپ جب غار حراء تشریف لے گئے اور وہاں وہ سارے حالات پیش آئے اور آپ آکر تھوڑے سے پریشان ہوئے، بوجھ محسوس کیا، تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے یہ کہا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ معلوم ہوتا ہے، تو حضرت خدیجہؓ نے نہایت ہی اعتماد سے کہا ہرگز نہیں آپ کو اللہ ضائع نہیں کرسکتا، رسوا نہیں کرسکتا، آپ تو بڑے بااخلاق ہیں، اور پھر اخلاق کی فہرست بھی حضرت خدیجہؓ نے گنا دی اور پھر یہی نہیں بلکہ حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس بھی لے گئیں تاکہ اور تسلی ہو جائے۔ حضرت خدیجہؓ کا یہ ساری امت پر احسان ہے، پھر اس کے بعد حضرت عائشہؓ کا ساری دنیا پر احسان ہے اگر حضرت عائشہؓ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو محفوظ نہ رکھتیں اور خواتین امت کے لئے وہ سرمایہ علم بچا کر نہ رکھتیں اور منتقل نہ کرتیں تو ہمیں علم کا سرمایہ عظیم نہ ملتا، تو ان خواتین کا کتنا بڑا احسان ہے، اسی لئے ان کو امہات المومنین کا لقب دیا گیا ہے، کیونکہ وہ تمام اہل ایمان کے لئے ماں کے درجہ میں ہیں، اس لئے ان کا ادب کرنا چاہئے۔ ان کی عظمت دل میں ہونی چاہئے، تو اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی ہیں، اور آپ کی بیٹیاں بھی ہیں، خاص طور سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس لئے کہ اور بیٹیوں کا انتقال آپ کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا، حضرت فاطمہؓ زیادہ ساتھ رہیں اور اولاد بھی حضرت فاطمہؓ ہی کی چلی، اس لئے حضرت فاطمہؓ کو خصوصیت حاصل ہوگئی، ورنہ اور بیٹیاں بھی اسی طرح شامل ہیں جس طرح حضرت فاطمہؓ، اور پھر حضرت فاطمہؓ کے شوہر اور بیٹے بھی اس میں شامل ہیں، یعنی حضرت علی اور حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما۔ یہ دونوں بھی اسی طرح اہل بیت میں ہیں جس طرح ازواج مطہرات، تو معلوم یہ ہوا کہ اہل میں آپ کی بیویاں بھی ہیں اور آپ کی بیٹیاں بھی ہیں اور آپ کے نواسے بھی ہیں، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ وہ آپ کے راستے پر بھی ہوں، آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بھی ہوں اور آپ کے دین کو پھیلانے کا ذریعہ بھی ہوں، اور ایک دفعہ نہیں آج تک اور انشاء اللہ قیامت تک، ان سے دین کا فائدہ پہونچتا رہے گا، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی اولاد سے امت کو جو نفع پہونچا ہے، وہ سب جانتے ہیں تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، اور آج بھی ان کی اولاد سے جو نفع پہونچ رہا ہے، اس لئے ان سے بھی محبت ہونا علامت ایمان ہے۔

(جاری)

قاعدہ بغدادی کے مکتب سے

امریکی فوج کے 5500 فوجی فرار

از .... سید احمد ومیض ندوی

مثل مشہور ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، بغداد پر امریکی قبضہ کے بعد سے یہ مثل برابر یاد آرہی تھی۔ آٹھویں صدی ہجری میں جب تاتاری وحشیوں نے عالم اسلام کے پایۂ تخت بغداد پر قبضہ کیا تو مورخین نے اس کے پس پردہ ابن العلقمی کی شخصیت کو دیکھا، ہندوستان کی تاریخ میں بھی ''جعفر از بنگال، صادق از دکن'' کی مثالیں مورخین نے ہمارے سامنے پیش کیں، یہی مثال اس وقت سامنے آئی جب جدید دور کے امریکی وحشیوں نے بغداد پر قبضہ کی کوشش کی تو ابن العلقمی کے صاحبزادوں نے بغداد کی کنجی ان کے حوالے کردی، امریکہ نے بھی انعام کے طور پر ۶۵ فیصدی کو نظر انداز کر کے ۳۵ فیصدی کو عراق کا حاکم مطلق بنادیا، ان مطلق العنان حکمرانوں نے ایران کی سرپرستی اور امریکہ کی نگرانی میں نسل کشی کی مہم شروع کردی، لیکن ان سازشوں کے خلاف مزاحمت اتنی زبردست ہوئی کہ سپر پاور اور اس کی حلیف طاقتوں کو قاعدہ بغدادی کے مکتب سے ناقابل فراموش سبق لے کر فرار پر مجبور ہونا پڑا، اگر ابن العلقمی کے پریوار نے مزاحمت پسندوں کا ایک فیصدی بھی ساتھ دیا ہوتا تو امریکہ چھ ماہ کے اندر عراق سے نکلنے پر مجبور ہوجاتا لیکن ایران وامریکہ کی متحدہ طاقت کے باوجود مزاحمت پسندوں نے جو کارنامے انجام دیے ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں، جنگ مخالف امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ نے ۸رجون کے شمارہ میں امریکی سفیر متعین بغداد مسٹر زلے خلیل زاد کی وہ رپورٹ شائع کردی ہے جو انہوں نے ۶رجون کو بائیس نکات کی شکل میں امریکی وزیر خارجہ کو ارسال کیا تھا، اس کے چند جملے آپ بھی ملاحظہ کریں: اگرچہ گرین زون کے چاروں طرف سخت حفاظتی انتظامات ہیں لیکن اس کے باوجود امریکی سفارت خانہ کے ملازمین پر شدید نفسیاتی دباؤ ہے، سفارت خانہ میں صرف نو عراقی ملازمین ہیں، پرکشش تنخواہ کے باوجود عراقی امریکی سفارت خانہ میں ملازمت سے بچتے ہیں، ان ملازمین نے درخواست کی ہے کہ ان کا نام رجسٹر سے نکال دیا جائے تاکہ سفارت خانہ خالی کرنے کی صورت میں یہ نام مزاحمت پسندوں کے ہاتھ نہ لگ جائے، صرف چار عراقی ملازمین کے گھر والوں کو امریکی سفارت خانہ میں کام کرنے کا علم ہے، عراقی ملازم خواتین پر دباؤ ہے کہ وہ حجاب میں نکلا کریں مرد وعورت جینز نہ پہنیں، عورتیں اپنے ساتھ موبائل نہ رکھیں کہ یہ غیر مردوں سے رابطہ کا ذریعہ ہے۔ خواتین کے لئے موٹر چلانے کی بھی ممانعت ہے، وہ گھر سے عبا پہن کر نکل سکتی ہیں، بغداد میں مہنگائی اتنی بڑھ گئی ہے کہ عراقی ملازمین کی گذر بسر مشکل ہوگئی ہے۔

یہ تصویر اس عراق کی ہے جہاں امریکی فوجی ہزاروں کی تعداد میں راہ فرار اختیار کررہے ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ امریکی سفارت خانہ کے ملازمین کب راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

معروف امریکی چینل CBS کے پروگرام ''60 منٹ'' میں عراق میں قابض افواج سے متعلق ایک حیرت انگیز اور چونکا دینے والا انکشاف کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ عراق جنگ کے آغاز سے تا حال 5500 امریکی فوجی فوج سے راہ فرار اختیار کرچکے ہیں۔ 5500 کوئی معمولی تعداد نہیں ہے، لگتا ہے کہ پورے کے پورے فوجی دستے فرار ہوچکے ہیں، امریکی فوجیوں کا یہ اقدام عراقی مزاحمت کاروں کی شدت کی عکاسی کرتا ہے، نیز اس سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ امریکی فوجی عراق مزاحمت سے کس قدر خوفزدہ ہیں، رپورٹ میں اگرچہ مفرور امریکی فوجیوں کے تاثرات نہیں دئے گئے کہ آخر انہیں کس چیز نے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا، لیکن اسباب ظاہر ہیں، امریکی فوجی اپنے اندر عراقی مزاحمت کاروں سے مقابلہ کی سکت نہیں پاتے، امریکی فوجیوں نے اپنے اقدام کے ذریعہ بزدلی کا اعتراف کرلیا ہے، اس بڑی تعداد میں فوج سے فرار بتاتا ہے کہ جنگی جذبہ کا فقدان ہے، ایک فوجی اپنے فرار ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے عراق سے اس لئے راہ فرار اختیار کی تاکہ کل کو میری قبر پر یہ تحریر نہ لکھی جائے کہ یہ شخص عراق میں دھوکہ سے قتل کردیا گیا۔

امریکی فوجی جانتا ہے کہ اسے اس کے ملک کے قائدین نے عراق کے جہنم میں محض پٹرول کے حصول کے لئے بھیجا ہے، نیز عراق کی باز آبادکاری کے عنوان سے اربوں ڈالر ہتھیانے کے لئے یہ اقدام کیا ہے، امریکی فوجیوں کو اندازہ ہے کہ انہیں ابنائے یہود کی حفاظت کے لئے اپنی جان نچھاور کرنا ہے، انہیں یقین ہے کہ وہ ابنائے صہیون کے ہیکل کے پتھر اٹھا کر اپنی جانوں سے ہاتھ دھوبیٹھیں گے، شاید کسی امریکی فوجی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ وہ عراق میں عراقی عوام کو آزادی دلانے کے لئے آیا ہے، عراق میں جو کچھ صورت حال پیش آنے والی تھی امریکی فوجیوں کو اسکا بخوبی اندازہ تھا، لیکن اس کے باوجود عراق اس لئے بخوشی آئے کہ انہیں ماہانہ دسیوں

ہزار ڈالر معاوضہ بطور تنخواہ ملنے کا یقین تھا، امریکی فوجی سمجھ رہے تھے کہ ان کو ویسی ہی تفریح ہوگی جیسی تفریح کوسوویا پہلی خلیجی جنگ میں ہوئی تھی، کہ جنگ صرف فضا میں ہوگی اور دوبدو لڑنے کی نوبت نہیں آئے گی، سابق میں امریکی فوج کو زمین پر اتارنے کو سختی سے منع کردیا کرتی تھی، جب تک کے حلیف افواج پہلے علاقہ کو آزاد نہ کرلیں، امریکہ کو خیال تھا کہ وہ عراق میں بھی اسی تجربہ کو دہرائے گا، لیکن جیسے ہی امریکیوں کو عراق میں حقیقی مزاحمت کا سامنا ہوا تو انہوں نے فرار کی راہ لی، بہت سے فوجی کینڈا کو فرار ہوگئے، کچھ فوجیوں نے اردن کی راہ اپنالی، جن کے لئے عراق سے باہر نکلنے کا راستہ نظر نہیں آیا انہوں نے منشیات کا سہارا لیا، یہ وہ حقائق ہیں جن کی تصدیق متعدد صحافتی رپورٹوں سے ہوئی ہے، نیز عراقی ویب سائٹ "مفكرة الاسلام" پر ان حقائق کی اشاعت عمل میں آئی ہے، امریکی محکمہ خارجہ پنٹاگن کے اعداد وشمار میں بتایا گیا ہے کہ عارضی حوادث کے نتیجہ میں متعدد امریکی فوجیوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے، کتنے فوجی ٹینکروں کے نہروں میں گرجانے، سڑک حادثات، گاڑیوں کے الٹ جانے اور دوستانہ فائرنگ سے ہلاک ہوگئے، یہ وہ تفصیلات ہیں جن کا امریکی فوج افشا نہیں کرتی۔

لیکن ان واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امریکی فوجیوں کے اندر فوجی روح میں روز بروز کمی آتی جارہی ہے، اس پر مستزاد یہ ہے کہ پنٹاگن نے عراق میں مصروف فوجیوں کی مدت ملازمت میں مزید اضافہ کردیا اور ان کے لئے رخصت اور وطن واپسی ممنوع قرار دی گئی ہے، اس طرح عراق امریکی فوجیوں کے لئے جہنم بن چکا ہے، سی بی ایس کے ویب سائٹ پر مذکورہ رپورٹ گذشتہ مئی کی 30 تاریخ کو شائع کی گئی تھی، اس رپورٹ کا آغاز پنٹاگن کی اس وضاحت سے کیا گیا کہ اب تک 5500 امریکی فوجی فوج سے فرار ہوچکے ہیں" 60 منٹ" پروگرام میں CBS چینل نے وضاحت کی ہے کہ فوج سے راہ فرار اختیار کرنے والے امریکی فوجی فوج سے امریکہ کی بری فوج اور امریکہ بحریہ کے زمینی جنگ لڑنے والے دستہ سے ہے، یہ فوجی فوج سے کینڈا اور اردن خوف سے فرار ہوگئے کہ کہیں انہیں عراق جانے پر مجبور نہ کیا جائے، ویتنام جنگ کے دوران بھی امریکی فوجیوں کی ایک بڑی تعداد فوج سے فرار اختیار کرچکی تھی، ان مفرور فوجیوں سے متعلق رائے عامہ کو بگڑنے سے بچانے کے لیے ان کے حوالے سے یہ بات کہی جارہی ہے کہ ان کی فوجی خدمت سے سبکدوشی عراق جنگ کے خوف سے نہیں ہوئی، بلکہ انہوں نے یہ اقدام اپنی ضمیر کی آواز پر کیا ہے، ان کا یہ اقدام بزدلانہ حرکت نہیں ہے، جیسا کہ لوگوں کو غلط فہمی ہورہی ہے، عراق میں فوجی خدمت سے راہ فرار اختیار کرنے والا 34 سالہ امریکی فوجی ڈان فیلو شکو کہتا ہے کہ وہ فوج میں جنگجو کی خدمات انجام دے رہا تھا، میں چاہتا تھا کہ ہمیشہ مجھے ایک جنگجو فوجی کی حیثیت سے پکارا جائے، بارہا مجھے احساس ہوتا تھا کہ میری ذمہ داری ان افراد کی مدد کرنا ہے جو اپنا دفاع خود نہیں کرسکتے، لیکن ایسا نہیں ہوسکا CBS کے مراسلہ نگار کا کہنا ہے کہ مذکورہ فوجی کو فروری 2003ء میں امریکی بحریہ کے ساتھ کویت بھیجا جانا طے کیا گیا تھا، تاکہ وہ عراقی حملہ کی ابتدائی کارروائیوں میں شریک ہوسکے، لیکن وہ اپنے فوجی کمانڈروں کو چکمہ دے کر کیلیفورنیا فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا، پھر وہاں سے کینڈا پہنچ گیا، CBS کے مراسلہ نگار اسکاٹ بیلی سے بات چیت کے دوران ڈان فیلو شکو نے کہا کہ: ''میں نے عراق جانے سے اس لئے راہ فرار اختیار کی کہ کہیں میری قبر پر یہ نہ لکھا جائے کہ یہ شخص عراق میں دھوکہ سے مارا گیا، ما فیلو شکو نے مزید کہا اگر میں جنگ لڑنے کے لئے عراق جاتا تو میں اپنے ان اقدار کی خلاف ورزی کرتا جن پر مجھے ایقان ہے، عراق پر یلغار امریکہ کی غلطی تھی اگر میں اس حملہ میں شریک ہوتا تو یہ میری دانستہ غلطی ہوتی، بالآخر غلطیوں کا یہ سلسلہ میری موت پر جاکر ختم ہوتا''، یہ کلمات ایک ایسی فوج کی زبان سے ادا ہورہے ہیں جس نے عراق جنگ سے بچنے کے لئے اپنی فوج سے فرار کو ترجیح دی تھی، یہ کسی ایک فوجی کا تاثر نہیں ہے، بلکہ بیشتر فوجیوں کے یہی تاثرات ہیں، امریکی فوجیوں کی بڑی تعداد میں فوجی خدمات سے سبکدوش ہونے کے دو بنیادی اسباب نظر آتے ہیں، ایک یہ کہ ان کا اس بات پر ایقان ہے کہ امریکہ عراق میں اس مسئلہ کو لے کر جنگ کررہا ہے کہ اس مسئلہ میں امریکہ حق پر نہیں ہے، عراق جنگ کے جواز پر پیش کئے گئے سارے امریکی دعوے اپنے اندر کسی طرح کی معنویت نہیں رکھتے۔ امریکی فوجی جانتے ہیں کہ امریکہ عراق پر ناحق چڑھ دوڑ رہا ہے، دوسرا یہ کہ انہیں یقین ہے کہ اگر وہ جنگ کے لئے عراق پہنچیں گے تو عراق ان کے لئے قبرستان ثابت ہوگا، انہیں عراق میں ایسی بھیانک صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، راہ فرار اختیار کرنے والا ایک دوسرا امریکی فوجی ...... کہتا ہے کہ جنگ میں شرکت کا خیال ...... اس کی بے قراری کا بنیادی سبب نہیں ہے، اس لئے کہ 11 ستمبر حملوں کے کچھ ہفتوں بعد ہی میں جنگ کے لئے ضروری تربیت حاصل کرچکا تھا، اس دوران میں افغانستان جنگ میں شرکت کے لئے پوری طرح آمادہ تھا، فیلو شکو کہتا ہے کہ 11 ستمبر کے حملوں کا افغانستان یا عراق سے قریب یا دور کا کوئی

تعلق ہو مجھے اس پر کوئی اطمینان نہیں۔ میں عراق جنگ میں اپنی شرکت کو بہت بڑی غلطی تصور کرتا تھا، درست پہلو کا انتخاب میرا حق ہے، میں جو بھی اپنے لئے فیصلہ کروں گا اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوگی، میں اپنے فیصلوں کا خود مختار ہوں، مجھ پر کوئی دوسرا اپنی مرضی زبردستی ٹھوس نہیں سکتا، جب عراق جنگ میں شرکت کے لئے امریکی بحریہ کے ایک معاہدہ پر دستخط کی بات آئی تو فیلوشکو نے یہ کہہ کر رد کردیا کہ اگر اس معاہدہ کا مطلب ایک غیر قانونی جنگ میں شرکت ہے تو میں اس معاہدہ کو شیطانی معاہدہ سمجھتا ہوں، امریکی چینل کے مراسلہ نگار نے فیلوشکو سے استفسار کرتے ہوئے کہا کہ اب جب کہ آپ کینڈا کے ٹورنٹو شہر میں مقیم اور آپ کے فوجی ساتھی فلوجہ، نجف اور مادی میں ہلاک ہو رہے ہیں آپ اپنے کو کیسا محسوس کر رہے ہیں؟ فیلو شکو نے کہا کہ اپنے ساتھیوں کو عراق میں موت کا جام پیتے دیکھ کر میں اپنے آپ کو اندرونی کشمکش میں مبتلا پا رہا ہوں، لیکن اس کے باوجود مجھے اطمینان ہے کہ میں نے اپنے حق میں درست فیصلہ کیا تھا، مراسلہ نگار نے فیلوشکو سے دوسرا سوال کرتے ہوئے کہا کہ آپ عراق میں ہلاک ہونے والے امریکی فوجیوں کے خاندان کو کیا پیغام دینا چاہیں گے؟ فیلوشکو نے کہا کہ مجھے عراق میں جانے والے جان باز فوجیوں پر فخر ہے شاید عراق میں ہلاک فوجیوں کے اہل خاندان کے لیے میرا اقدام تکلیف کا باعث بنا ہو، لیکن اس میں ان کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں، میں نے اپنی ذات کے متعلق فیصلہ کیا اور وہ اپنی ذات سے متعلق فیصلوں میں خود مختار تھے، اصل بات یہ ہے کہ عراق جنگ کو غلط اور ناحق قرار دینے کے باوجود میرے ساتھیوں نے اس میں شرکت کی، سب کو جاننا چاہئے کہ عراق میں ہلاک ہونے والے سارے فوجیوں کی ذمہ داری امریکی حکومت پر عائد ہوتی ہے، اس لیے کہ امریکی حکومت نے انہیں اپنے حق میں فیصلہ کا اختیار نہیں دیا۔

CBS کے مراسلہ نگار کے مطابق اس قسم کی صورت حال ویتنام کی جنگ میں بھی پیش آچکی تھی، چنانچہ ویتنام کی جنگ سے بچنے کے لئے 55 ہزار امریکی فوجی کینڈا فرار ہو چکے تھے۔

کینڈا میں قیام کے لئے انہوں نے بہت سارے قانونی حیلے ڈھونڈ نکالے تھے، کینیڈین حکومت نے انہیں مستقل قیام کی اجازت بھی دی تھی، لیکن اسکاٹ ہیلی کا کہنا ہے کہ فرار ہونے والے امریکی فوجیوں کے لئے کینڈا میں اب حالات ویسے سازگار نہیں ہیں جیسے ویتنام جنگ کے دوران تھے، چنانچہ امریکہ سے فرار ہو کر آئے ہوئے ایک فوجی براڈون ہیوی کو کینڈا میں حکومت کو قائل کرانے کے تعلق سے کافی دشواریاں پیش آرہی ہیں، ہیوی کینیڈین حکومت کو مطمئن نہیں کر پارہے ہیں کہ وہ ایک مستحق پناہ گزین ہیں، CBS کے نامہ نگار اسکاٹ ہیلی کی جانب سے عراق پر امریکی یلغار کے جواز کے متعلق پوچھے گئے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ہیوی نے کہا کہ اگر عراق کی حکومت کے پاس فی الواقع عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار ہوتے اور فی الواقع عراق ہمارے اقوام کی سلامتی کے لئے خطرہ ثابت ہوتا تو ہمیں عراق پر حملہ کرنے کا مکمل حق حاصل رہتا، امریکہ کو خطرات سے بچانے کی خاطر میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے بالکل آمادہ تھا، اس وقت عراق سے متعلق تفصیلات کا مجھے قطعی علم نہیں تھا چنانچہ میں عراق جنگ میں شرکت کے لئے فوجی ٹرینگ بھی لینے لگا، ٹرینگ سے فراغت کے بعد عراق کے تعلق سے اصل حقائق کا پتہ مجھے اس وقت چلا جب عراق جنگ کے اسباب ومحرکات کے سلسلہ میں بعض تجزیاتی مضامین میری نظر سے گزرے، حقائق کا علم کیا ہوا کہ میں شدید صدمہ سے دوچار ہو گیا، اس وقت میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ عراق میں جس عام تباہی والے ہتھیاروں کا ہوا کھڑا کیا گیا تھا وہ سراسر جھوٹ اور فریب ہے، محض جنگ کے جواز کے لئے ہلاکت خیز ہتھیار کا پروپیگنڈہ کیا گیا تھا، اب میرا غصہ انتہا کو پہنچ گیا، مجھے محسوس ہوا کہ کچھ لوگ اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل کے لئے ہم امریکی فوجیوں کی جانوں سے کھلواڑ کر رہے ہیں، ہیوی کہتا ہے کہ اس غیر قانونی جنگ سے خود کو بچائے رکھنے کے لئے میں نے وہی تدبیر سوچی جو اس سے قبل ویتنام جنگ میں جب عراق جیسی صورت حال پیدا ہوئی تو امریکی فوجیوں کی ایک بڑی تعداد کینڈا فرار ہو گئی تھی۔ ہیوی نے کہا کہ میرے اور مجھ جیسے دیگر امریکی فوجیوں کے تعلق سے آج جو کچھ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اس سے مجھے شدید تکلیف ہو رہی ہے، فوجی خدمت سے فراری اختیار کرنے والوں کو میں بھی بزدل اور نکما سمجھتا ہوں، لیکن عراق جیسی جنگوں سے دور رہنا عین حکمت ہے، اسے فرار سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، غیر قانونی جنگ سے خود کو بچائے رکھنے کا مجھے موجودہ حالات سے اچھا تجربہ ہوا، میں اس تجربہ کی قدر کرتا ہوں۔

CBS چینل کی رپورٹ میں اس وکیل کی سرگرمیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جو کینیڈین عدالتوں میں ان امریکی فوجیوں کی نمائندگی کر رہا ہے جو امریکہ سے فرار ہو کر کینڈا میں پناہ لینے کے لئے کوشاں ہیں، کینیڈین وکیل مفرور امریکی فوجیوں کے تعلق سے حکومت کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا ہے، وکیل کا کہنا ہے کہ اگر ان فوجیوں کو ان کے وطن لوٹنے پر مجبور کیا جائے تو وہاں ان کے ساتھ انصاف پر مبنی مقدمات

نہیں چلائے جائیں گے، بلکہ انہیں شدید ظلم سے دوچار کیا جائے گا، وکیل نے عدالت میں اپنے مباحثہ کے دوران کہا کہ مفرور فوجیوں کا قصور نہیں ہے، جس بات کے سلسلہ میں آدمی کو اطمینان نہ ہو اسے اس کے ماننے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، آدمی اسے مسترد کر سکتا ہے، وکیل نے کہا کہ جب امریکی فوجی عراق جنگ کو دلائل وشواہد کی روشنی میں غیر قانونی اور ناجائز تصور کرتے ہیں اور اس سبب سے جنگ میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ ان کا حق ہے، کینیڈین وکیل نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ کسی طرح عدالت سے ان پناہ گزینوں کو حق دلوا کر رہے گا، وکیل نے کہا کہ عراق سے متعلق صدر بش نے ہر طرح کے عالمی معاہدوں کو بالائے طاق رکھ دیا، اقوام متحدہ کی خلاف ورزی کی، عراق جنگ کے تعلق سے بش پر مقدمہ چلایا جانا چاہئے، سزا کے مستحق مفرور امریکی فوجی نہیں، بلکہ سزا صدر بش کو دی جانی چاہئے، امریکہ سے کینڈا فرار ہونے والا اولین فوجی جیرمی ہینز مان کہتا ہے کہ فوج سے فرار ہونے کا میں تصور تک نہیں کر سکتا تھا، بالخصوص جب کہ میں نے چار سال تک فوجی خدمات پر مامور رہنے کا معاہدہ کر لیا تھا، اگر مجھے دو بدو لڑائی کے علاوہ کوئی اور ذمہ داری دی جاتی تو میں ضرور اپنے عہد پر برقرار رہتا، ہینز مان کہتا ہے کہ میں نے عملاً اپنے کمانڈر کو درخواست پیش کی جس میں گزارش کی کہ مجھے میدان کارزار سے دور رکھا جائے اور دوسری ذمہ داری سونپی جائیں، ابھی میں جواب کا منتظر تھا کہ مجھے افغانستان روانہ کردیا گیا، افغانستان میں مجھے پکوان پر مامور عملہ میں شامل کردیا گیا، کچھ دنوں بعد مجھے اطلاع ملی کہ میری درخواست مسترد کردی گئی ہے اور میرے لئے عراق جانا ناگزیر ہے، چینل کے مطابق اس صورت حال سے بچنے کے لئے ہینز مان نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ کینڈا منتقل ہونے میں عافیت سمجھی۔

ہینز مان کہتا ہے کہ آزادی اور جمہوریت کی فضا میں زندگی گزارنا عراقی عوام کا حق ضرور ہے لیکن یہ آزادی اور جمہوریت اندرون عراق سے حاصل کرنا چاہئے، اگر جمہوریت بیرونی طاقتوں سے حاصل ہو تو عراقیوں کی نگاہ میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی، یہی وہ حقیقت ہے جسے امریکی حکومت نظر انداز کر رہی ہے، 5500 امریکی فوجیوں میں سے یہ دو چار کے تاثرات ہیں، اس صورت حال کی روشنی میں امریکی افواج کی نفسیات اور اندرونی کھوکھلا پن ظاہر ہوتا ہے فرار کا یہ رجحان بڑھتا گیا تو یہ امریکہ کی خودسری کے لئے زبردست تماشہ ثابت ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی کی
تازہ پیش کش

تذکرہ حضرت مولانا کرامت علی جونپوریؒ

حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ اجل جن کے ذریعہ لاکھوں بندگان خدا کو ہدایت ملی۔ اور جن کی دینی کوششوں اور دعوتی سرگرمیوں کے باعث خاص کر بنگال و آسام کے علاقوں میں ایمانی بہار آئی۔

مولانا مجیب اللہ ندوی مرحوم (سابق ناظم جامعۃ الرشاد) کے قلم سے مولانا کرامت علی جونپوری کا مختصر اور مؤثر تذکرہ

صفحات: ۶۸ قیمت ۲۶ روپے

ناشر:- **سید احمد شہید اکیڈمی**
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی، یوپی

رابطہ:- **مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ**
ابراہیم بکڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور، رائے بریلی

Sirajuddin
Nooruddin

Kamaluddin & Sons

Perfumers

SPECIALIST IN
Indian Attar & Kewra Water, Rose Water etc.

Akbari Gate, Lucknow-226003
Phone : 0522-2267501

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لائق فرزند اور استاذ

مولانا محمد عارف سنبھلی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

از: ...... حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی کی وفات کو ابھی چند ماہ گذرے تھے اور ان کے نہ رہنے سے اہل ندوہ ابھی مغموم تھے اورخسارہ کا احساس جاری تھا کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک ممتاز فرزند اور عالم دین مولانا محمد عارف سنبھلی ندوی نے بھی اس دار فانی سے کوچ کیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد عارف صاحب ندوۃ العلماء کے لائق فرزند بھی تھے اور ایک اہم استاد بھی تھے ،ابھی طویل عمر تک نہیں پہونچے تھے کہ رخصتی کا وقت آپہونچا،اللہ تعالیٰ ان کو اپنی بیش از بیش رحمتوں سے نوازے۔وہ اپنی طالبعلمی میں ایک ہونہار، سنجیدہ اور محنتی طالب علم تھے تعلیم سے فراغت کے بعد تدریسی زندگی اختیار کی اور مفید علمی مشغولیت میں جس میں ان کا جذبہ دین کی تقویت اور علوم دینیہ کی خدمت کا رہا تھا،قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر کو اپنا خاص موضوع بنایا،اسی کے ساتھ دین کے صحیح عقیدہ کے دفاع اور نصرت کو انہوں نے اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ خصوصی طور پر اختیار کیا،اور اس سلسلہ میں انہوں نے بڑی عالمانہ خصوصیت پیدا کر لی تھی اور ان کا بیان بھی بہت اچھا ہوتا تھا،وہ علمی انداز اور موثر طرز استدلال اختیار کرتے تھے،ان کی علمی کاوش سے ایک طرف ان کے شاگردوں کو قرآن مجید سے خصوصی استفادہ کرنے کا موقع مل رہا تھا اور دوسری طرف ان کی عملی کاوش سے دین کے صحیح عقیدہ کے دفاع اور نصرت کا فرض انجام پارہا تھا۔

مولانا محمد عارف صاحب مرحوم علمی اور سلجھے طریقہ سے درس دیتے تھے انہوں نے اپنا انداز سنجیدہ اور علمی رکھا تھا، وہ یکسو ہو کر علمی استعداد بڑھانے کی فکر رکھتے تھے،وہ اجتماعی زندگی کے رد وقدح سے اپنے کو بچاتے ہوئے تعلیم اور دعوت کے کام سے عملی تعلق رکھا تھا،ان کی زندگی کا طرز احتیاط،استغناء اور خوداعتمادی کا رہا،دوسروں سے فائدہ اٹھانے میں کم دوسروں کو فائدہ پہونچانے میں زیادہ،دین ودعوت کے کام میں تعاون اور اس کی راہ میں مشقت جھیلنے کا انداز رکھا تھا،وہ اپنے وقت کے ایک بہت بڑے عالم دین حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ؒ کے بھتیجے تھے،طالب علمی کا ان کا زمانہ ان کی سرپرستی میں گذرا تھا جس کے اثر سے علم دین کے کام میں ہمت وجرأت کے پیدا ہونے میں ان کو اپنے عم معظم سے فیض حاصل ہوا،جو ان کے کردار و عملی جدوجہد میں محسوس کیا جاسکتا تھا،ان کے دادا صاحب بھی ایک بڑے بزرگ صفت فرد تھے ،ظاہر ہے کہ ان کے اثرات بھی فطری طور پر ان کے سب بیٹوں میں اور ان کے ذریعہ ان کے پوتوں میں منتقل ہوئے ہونگے،جن میں مولانا محمد عارف صاحب بھی تھے،ان کا خاندان ان ہی اسباب کی بناء پر دین وعلم سے خصوصی ربط رکھنے والا خاندان رہا ،جس کے اثرات مولانا محمد عارف صاحب کو بھی وراثت میں ملے،مولانا محمد عارف صاحب ندوی کے خاندان کی بزرگ شخصیت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب ؒ کا مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی ؒ سے قریبی ربط تھا اس خصوصی تعلق کی بنا پر مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر ورجحان اور اس خاندان کی فکر ورجحان میں ایک حد تک ہم آہنگی تھی، اسی کے ساتھ ساتھ مزید اس بات کا بھی اثر تھا کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دعوت وجہاد کے عمل سے برصغیر کے سارے اہل دین قدروعقیدت رکھتے تھے،ان میں اس خاندان کے بھی افراد تھے۔اس خاندان کا مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت سید شہیدؒ سے نسبی تعلق کی بنا پر، ان سے اور اس گھرانہ کے بڑوں اور چھوٹوں سے بھی تعلق تھا، خاص طور سے مولانا محمد عارف صاحب اور ان کے گھر کے لوگ اس میں بڑھے ہوئے تھے، مولانا عارف صاحب اپنے گھر والوں کی اس عقیدت مندی کا اپنی گفتگو میں تذکرہ کرتے تھے،خود مولانا محمد عارف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان والوں سے عملی طور پر جو محبت و تعلق رکھا اس سے بھی اس کا ثبوت ملتا رہا،حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو محسوس کرتے تھے اور مولانا محمد عارف صاحب کو قدر

وتعلق کی نظر سے دیکھتے تھے۔

ندوۃ العلماء سے فارغ ہونے کے بعد مولانا محمد عارف صاحب نے مہاراشٹر کے بعض مدرسوں میں تدریسی خدمات انجام دیں اور جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں بھی پڑھایا جس کے ناظم مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی تھے،لیکن مولانا علی میاں صاحب نے ان کو ندوۃ العلماء بلالیا،اور تدریسی کام سپرد کیا اس میں ان کا خصوصی مضمون ترجمہ وتفسیر قرآن مجید مقرر ہوا، قرآن مجید کے ساتھ عقیدہ کا بھی موضوع ان کے درس میں رہا،دونوں موضوعات میں ان کا درس مفید اور معلومات افزا ہوتا تھا اس سے طلبہ بڑا فائدہ اٹھاتے تھے،وہ درس کے ساتھ ساتھ دین اور عقیدۂ صحیحہ کی نصرت اور دفاع کے لئے مختلف جلسوں میں بھی جاتے تھے اور ان کی تقریریں مفید ہوتی تھیں ان کا اسلوب سادہ اور پراثر ہوتا تھا،وہ اپنی گفتگو میں بھی اور اپنی عملی زندگی میں بھی سادہ اور تکلفات سے گریز کرنے والے عالم دین تھے۔انہوں نے اپنی ضروریات کو محدود رکھا تھا، اور اپنی اجتماعی زندگی میں بھی اپنے معاملات کو اپنی ذات تک محدود رکھتے تھے،وہ کچھ عرصہ سے اعصابی اور قلبی طور پر کچھ شکایات محسوس کرنے لگے تھے، اور ان کا علاج عموماً سادہ انداز (ہومیو پیتھ) تک محدود رکھتے رہے،شہر کے مشہور معالج اور ملت اسلامیہ کی تقویت کا جذبہ اور عمل رکھنے والے ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی سے ان کا اس علاج کے سلسلہ میں خصوصی ربط رہا جس کو انہوں نے برابر جاری رکھا،اس علاج سے ان کے مرض میں تخفیف ہوتی رہی، لیکن مرض کا پورا ازالہ نہیں ہوسکا تھا اور بالآخر ان کا وقت موعود آگیا جو کہ ہر انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اور وہ کسی بھی طریقہ سے گھٹ بڑھ نہیں سکتا،البتہ ان کا یہ وقت موعود بلا کسی بڑی تمہید کے آیا،انہوں نے انتقال کی رات تقریباً معمول کے مطابق گزاری اور صبح کے معمولات شروع ہونے پر بھی نماز فجر کی ادائیگی تک ان کی علالت کا کوئی بڑا اندازہ نہیں کیا جاسکا تھا،بر وقت علم میں آیا اور وہ آہستگی کے ساتھ اس دار فانی سے دار باقی کی طرف منتقل ہوگئے،دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی بڑی رحمتوں سے نوازے اور نیک اعمال کا اضعافاً مضاعفہ بدلہ عطا فرمائے،وہ بڑے بااخلاق، ہمدرد، تعلق ومحبت کا لحاظ رکھنے والے انسان تھے، عالم دین اور استاذ تھے، اپنی بڑی حیثیت ہونے کے باوجود ان کا برتاؤ ان کا ایسا تھا جس میں ان کو اپنی اہم شخصیت کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا اور عام فرد کی طرح وہ لوگوں سے ملتے اور ربط رکھتے تھے، سادہ طبیعت، سادہ لباس، اور سادہ وضع قطع،اور سادہ اور سنجیدہ طرز عمل ان کی خصوصیات تھیں،ان کے اندر نصرت دین کا بڑا جذبہ تھا جو ان میں بڑا جوش عمل پیدا کرتا تھا،علمی مطالعہ میں وہ بڑا وقت صرف کرنے والے اور قرآن مجید کے مضامین پر بہت غور وخوض کرنے والے اور ان سے استفادہ کا بڑا ذوق رکھنے والے مدرس اور مصلح کی حیثیت سے اپنی علمی، دینی فریضہ کو انجام دینے والے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کے معانی ومضامین کی تدریس وخدمت کے کام میں اہم جگہ پر کررکھی تھی جو ان کی وفات سے خالی ہوگئی،اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کا بندوبست فرمائے اور جانے والے کو اس کی خوبیوں کا بیش از بیش بدلہ عطا فرمائے۔

مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کے افراد سے ان کو جو خاص ربط تھا،اس کے نتیجے میں وہ وقتاً فوقتاً تکیہ کلاں رائے بریلی آتے اور رمضان کے اور بعض دیگر موقعوں پر جب مولانا علی میاں صاحب کے پاس ندوہ کے طلبہ کچھ وقت گزارنے آتے تو مولانا ؒ کی نظر مولانا عارف صاحب پر پڑتی کہ وہ طلبہ کی نگرانی وسرپرستی کرنے کے لئے مولانا کے ساتھ رہیں،اس سلسلہ میں تکیہ کلاں سے متصل میدان پور میں قائم شدہ دار عرفات کے تحت ایسے پروگرام انجام پاتے جن میں مولانا عارف صاحب کا تعاون اور طلبہ کی سرپرستی کا موقع فراہم ہوتا جس کو وہ اچھے اور ترتیبی انداز میں پورا کرتے، رمضان المبارک کے ایام میں ان کے دروس قرآن کا بھی حضرت مولانا علی میاں اہتمام کراتے جس سے رمضان کا وقت گزارنے کے لئے یہاں قیام کرنے والوں کو عقیدہ اور فکر وعمل کا بڑا فائدہ حاصل ہوتا تھا،البتہ یہ سلسلہ مولانا محمد عارف صاحب کی وقتاً فوقتاً علالت کے پیش آنے سے مسلسل نہیں رہ سکا لیکن تعلق خاطر اور ربط قائم رہا۔

حضرت مولانا کے خاندان کے دیگر متعلقین کے ساتھ بھی مولانا عارف صاحب کو جو تعلق قائم ہو گیا تھا،اس کی وجہ سے ان کی وفات کو خاندان کے حضرات نے اپنے فرد خاندان کی وفات کی طرح محسوس کیا، مجھ سے ان کا جو خصوصی ربط تھا اس کی بنا پر ان کی وفات میرے لئے بھی ذاتی صدمہ کا باعث ہوئی،اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین!!۔

☆☆☆☆☆

خصوصیات عارف

از......محمد زید مظاہری ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دار العلوم ندوۃ العلماء کے قدیم اور احقر کے مشفق استاد حضرت مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ ۹/جون ۲۰۰۶ء......جمعہ کے دن علی الصباح فجر کے وقت اچانک اس دار فانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرما کر اپنے رب حقیقی مولائے کریم سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

موصوف ندوۃ العلماء کے ممتاز ترین صف اولی کے اساتذہ میں سے تھے، سیکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں ان کے تلامذہ ملک و بیرون ملک کے مختلف گوشوں میں منتشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے بڑی خصوصیات سے نوازا تھا، کسی بڑی شخصیت کے جانے کے بعد ان کے خصوصی اوصاف اور کارنامے ہی ہوتے ہیں جو ان کے چھوٹوں اور بعد والوں کے لئے مختلف پہلوؤں سے ہدایت و عبرت کا ذریعہ بنتے ہیں، اور کسی بھی شخصیت کے لئے یہ بڑی سعادت اور عند اللہ مقبولیت کی علامت ہوتی ہے کہ ان کے کارنامے اور خصوصی اوصاف بعد والوں کے لئے نمونۂ عمل اور درس عبرت ثابت ہوں، بے شک موصوف کو اللہ تعالیٰ نے ایسے اوصاف و خصوصیات کا حامل بنایا تھا جن کا ذکر ہم چھوٹوں کے لئے انشاء اللہ باعث عبرت و نصیحت ہوگا، اس لئے موصوف کے چند خصوصی اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں شاید قارئین خصوصاً ان کے تلامذہ میں سے کسی کے لئے مفید ثابت ہوں۔

زمانۂ طالب علمی میں مظاہر علوم سہارن پور سے فراغت و افتاء کے بعد احقر نے جب دار العلوم ندوۃ العلماء میں حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے داخلہ لیا، خوش قسمتی سے اس وقت رہائش کے لئے جو کمرہ احقر کے لئے تجویز ہوا وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہی کی زیر نگرانی اور ان ہی کے کمرہ کے متصل تھا، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ نے احقر کو ہدایت کی تھی کہ ندوہ میں ایک استاد مولانا محمد عارف صاحب ہیں، تفسیر میں بہت ماہر ہیں ان سے تفسیر قرآن پڑھ لینا اور ان سے استفادہ کرنا، حضرتؒ کی برکت ہی کہوں گا کہ تفسیر قرآن کا گھنٹہ بھی مولانا کے نام تجویز ہوا، جس کی وجہ سے درجہ میں استفادہ کا کافی موقع ملتا تھا اور دار الاقامہ میں بھی ملاقات کے مواقع بکثرت آتے تھے، فرقوں کی تردید، رد بدعات مولانا کا خاص موضوع تھا، قرآن کی تفسیر کے ضمن میں کسی گوشہ سے کوئی بات بدعات کے سلسلہ کی آجاتی تو مولانا اس کو ضرور بیان فرماتے، بحث کا ایک گوشہ سامنے آجاتا اور سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا، مولانا میں خاص بات یہ تھی کہ طالب علم کے سوال کرنے سے کبھی ناراض نہ ہوتے بلکہ خوش ہوتے اور سوال کو اہمیت دیتے ہوئے اس کو غور سے سنتے اور معقول جواب دیتے، کسی مسئلہ میں تشفی نہ ہوتی تو دوسرے روز دیکھ کر آتے اور اس کا جواب دیتے۔

فن تفسیر سے مولانا کا شغف اور خصوصی مناسبت

تمام علوم میں فن تفسیر سے آپ کو خصوصی مناسبت تھی اور اسی حیثیت سے آپ ندوۃ العلماء کے ممتاز ترین تفسیر کے استاد سمجھے جاتے تھے، تمام طلبہ آپ سے حسن ظن رکھتے اور اس بات کے خواہش مند ہوتے تھے کہ مولاناؒ کے یہاں میرا تفسیر کا گھنٹہ ہو جائے، مولاناؒ کا علوم قرآنیہ اور تفسیر کی کتابوں کا اس قدر وسیع اور عمیق مطالعہ تھا کہ تفسیر کی کتابوں کے سلسلہ میں آپ ایک خاص ذوق اور مستقل رائے رکھتے تھے اور طلبہ سے بار بار اس کا اظہار بھی فرماتے تھے، مولاناؒ کا ذوق یہ تھا کہ اولاً قرآن کو قرآن سے سمجھنا چاہئے اور آیات قرآنیہ کی تفسیر دیگر آیات کی روشنی میں کرنا چاہئے، اس کے بعد حدیث کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کرنا چاہئے، اس سلسلہ میں مولاناؒ سب سے زیادہ تفسیر ابن کثیر کو فوقیت دیتے تھے، فرماتے تھے کہ اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ آیات کی تفسیر اولاً دوسری آیات کی روشنی میں پھر احادیث کی روشنی میں کی گئی ہے اور احادیث میں بھی صحیح احادیث، ایک آیت سے متعلق جتنی صحیح روایات ہوتی ہیں امام ابن کثیرؒ ان سب کو ذکر فرماتے ہیں، جو روایات اول درجہ کی ہوتی ہیں ان کو پہلے ذکر کرتے ہیں اس کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کی روایات کو، امام ابن کثیرؒ کے متعلق مولاناؒ بڑے بلند کلمات فرماتے تھے کہ بڑے درجہ کے محقق ہیں، محدث اور مفسر ہیں، ابن تیمیہؒ کے شاگرد ہیں، طلبہ کو خاص طور پر اس تفسیر کو دیکھنے کی ہدایت فرماتے تھے، تفسیر قرطبی کی بابت فرماتے تھے کہ وہ بڑے درجہ کے محقق ہیں ساری بحثوں کو چھیڑتے چلتے ہیں، دلائل کی روشنی میں تفصیلی کلام فرماتے ہیں، کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر مظہری کے بھی بڑے مداح اور معتقد تھے، انہوں نے بھی آیات کی تفسیر روایات کی روشنی میں کرنے کا اہتمام فرمایا ہے، نیز فرماتے تھے کہ مسائل کی تحقیق اور فقہ کو قرآن کی روشنی میں اگر دیکھنا ہے تو اس کے لئے تفسیر مظہری بہت مفید ہے، تفسیر مظہری میں خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے آیات کی تفسیر کے ضمن میں منفی جزئیات بھی کثرت سے ذکر فرمائے ہیں۔

اردو تفسیروں میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی بیان القرآن کو بڑی اہمیت دیتے اور اسی کے ساتھ اور بعض لحاظ سے اس سے زیادہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے تفسیری فوائد (جو حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئے ہیں) کی بڑی اہمیت بیان فرماتے اور اس کے مطالعہ پر بہت زور دیتے تھے، فرماتے تھے کہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ ایسی آسان جامع تعبیر و تفہیم دوسری جگہ نظر نہیں آتی، ان کا قلم بہت عمدہ ہے، جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس کا حق ادا کر دیا، تمام علوم پر گہری نظر ہے، مفسر بھی ہیں محدث بھی ہیں مسلم شریف کے شارح ہیں، علم کلام اور دیگر علوم عقلیہ میں بھی کافی مہارت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے لکھنے کا سلیقہ عطا فرمایا ہے، حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ نے بھی ان کے تفسیری فوائد کی تعریف اور اس کو دیکھنے کی ترغیب فرمائی ہے، مولاناؒ خود بھی بار بار اس کا مطالعہ فرماتے تھے اور طلبہ کو بھی اس کے مطالعہ کی ترغیب دیتے تھے۔

تفسیر جواہر القرآن کے مقدمہ کی بڑی تعریف فرماتے تھے خاص طور پر اس میں توحید و شرک کے مسئلہ کی جس انداز سے تنقیح کی ہے اور ابن قیمؒ کی عبارتوں کو نقل کرکے عبارت کی جو تعریف کی ہے اس سے بہت متاثر تھے اور طلبہ کو اس کو دیکھنے کی تلقین فرماتے تھے۔

قرآن فہمی کے سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بڑے معتقد تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ، حضرت سید صاحب کے متعلق اس سلسلہ میں جو بلند کلمات ارشاد فرمائے ہیں۔

"مجھے سید صاحب کی علمی صحبتوں اور ذاتی استفادہ سے معلوم ہوا کہ ان کا امتیازی مضمون قرآن مجید اور علم کلام ہے، میں نے معاصر علماء میں کسی شخص کا مطالعہ قرآن مجید اور علوم قرآن کا اتنا وسیع اور گہرا نہیں پایا" (پرانے چراغ، ص:۵۸)

میرے نزدیک فہم قرآن میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ مجھے ہندوستان ہی نہیں بلکہ تحتی بر اعظم میں بھی کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کا مطالعۂ قرآن اتنا وسیع اور عمیق ہو" (خطبات مفکر اسلام، ص۲۱، ج۳)

یہی حسن ظن اور عقیدت مولانا مرحوم کی بھی تھی، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب ارض القرآن جو تفسیر ہی کے ایک گوشہ سے تعلق رکھتی ہے ضخیم دو جلدوں پر مشتمل ہے، استاد مرحوم فرماتے تھے کہ "یہ ایسی کتاب ہے جس کی نظیر نہیں ملتی لیکن لوگوں کو اس کتاب کی جیسی قدر کرنی چاہئے نہیں کی، اس کتاب کو لوگ جانتے بھی نہیں، سید صاحب بہت بڑے آدمی ہیں علمی اعتبار سے جو ان کا مرتبہ و مقام ہے اور ان کی کتاب ارض القرآن جس درجہ کی ہے اس کو وہ مقام نہیں ملا۔

درس قرآن کی آپ کے نزدیک بڑی اہمیت تھی، آپ کا درس قرآن بہت مقبول ہوتا تھا، آپ تکیہ رائے بریلی تشریف لے جاتے وہاں بھی آپ کا درس قرآن ہوتا، شہر میں کسی جگہ آپ کے درس قرآن کا اعلان ہوتا تو طلبہ و عوام ٹوٹ پڑتے تھے، آپ لوگوں کو درس قرآن کی بہت ترغیب دیتے تھے، بعض دینی حلقوں میں درس قرآن کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا گیا اور اس کو بند کرنے کی کوشش کی گئی تو مولانا سخت ناراض ہوئے اور اس کو زوال امت کی علامت قرار دیا اور ان کے ذمہ داروں کو اس سلسلہ میں ایک مکتوب ارسال فرمایا، فرماتے تھے کہ یہ صحیح ہے کہ نااہلوں کو ہرگز درس قرآن کا موقع نہ دیا جائے اس پر پابندی عائد کی جائے، لیکن جو اس کے اہل ہیں ان کے سلسلہ کو تو جاری رکھنا چاہئے"۔

علمی و تحقیقی ذوق اور وقت کی حفاظت

مولاناؒ میں ایک خاص بات یہ دیکھی کہ وقت کی بڑی قدر فرماتے تھے فضول کاموں اور فضول باتوں میں کبھی مولانا کو وقت ضائع کرتے نہیں دیکھا گیا، عام مجالس میں بھی اگر گفتگو فرماتے تو وہ بھی کوئی کام ہی کی بات ہوتی، مطالعہ کے اس قدر شوقین اور کتاب دیکھنے کے اس قدر عادی کہ دیکھنے والوں نے مولانا کو کبھی فارغ نہ دیکھا ہوگا یا تو کسی ضروری کام میں لگے ہیں یا پھر ہاتھ میں کتاب، فرمایا کرتے تھے کہ بریلویت، قادیانیت وغیرہ پر جتنا میں نے پڑھا ہے کم لوگوں نے پڑھا ہوگا، کسی مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں اگر معلوم ہو جاتا کہ یہ بات فلاں کتاب میں ہوگی تو جب تک اس کتاب کو حاصل کرکے نہ دیکھ لیتے چین نہ لیتے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے غایت درجہ عقیدت تھی ان کی تحقیقات و تصریحات کو بڑی اہمیت دیتے تھے، حضرت اقدس تھانویؒ کی طرف منسوب ایک مضمون کی تحقیق مطلوب تھی کہ واقعی حضرت تھانویؒ نے یہ بات فرمائی ہے یا نہیں تلاش کے بعد بھی نہ مل سکی، احقر اس وقت جامعہ عربیہ ہتھورا میں مدرس تھا وہاں جوابی خط پہنچا کہ حضرت تھانویؒ کا یہ مضمون اور یہ عبارت کس کتاب میں ہے احقر نے جواب لکھا، یہ سب مولانا کی تحریک سے ہوا، کوئی نئی کتاب سامنے آتی اس کو بغور دیکھتے، اس کے مضامین و فہرست پر اجمالی نظر ڈالتے مصنف کی تحقیق فرماتے کہ یہ کون صاحب ہیں، مولانا کا یہ عام مزاج تھا، کتابی دنیا ہی ان کا اوڑھنا، بچھونا تھی اور شب و روز کتابوں کے سایہ ہی میں گذرتے تھے۔

احقر بسا اوقات مولانا رحمۃ اللہ سے کوئی علمی بات دریافت کرنے کی غرض سے علی الصباح ان کے مکان پر حاضر ہوتا دستک دیتا بچے سے یہ بھی کہہ دیتا کہ مولاناؒ اگر آرام فرما رہے ہوں تو کچھ مت کہنا،

مولانا باہر تشریف لاتے، ایک مرتبہ معذرت کے ساتھ احقر نے عرض کیا کہ آرام کے وقت آپ کو زحمت دی برجستہ فرمایا میں صبح سونے کا عادی نہیں لکھتا پڑھتا رہتا ہوں، کبھی چھت میں بیٹھ کر مطالعہ کرتا ہوں، ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا بعد ظہر بھی میری سونے کی عادت نہیں رات بھی دیر تک مطالعہ میں مشغول رہتے ہیں، لکھنے پڑھنے کے سوا ان کا کوئی کام ہی نہیں، فضول بات جانتے ہی نہیں، مولانا کا مطالعہ محدود نہیں تھا، وہ حالات حاضرہ سے پوری طرح باخبر رہتے تھے اخبارات بھی پڑھتے تھے، علمی وفقہی اور سیاسی موضوعات پر یا مدارس سے متعلق جو مضامین ومراسلات اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں مولانا ان کو بہت غور سے پڑھتے تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو ملت ومعاشرہ اور دینی مراکز کی بڑی فکر رہتی تھی، کچھ عرصہ قبل ڈاکٹر ذاکر نائک کی آمد کا بڑا شہرہ تھا مولانا کے تحقیقی مزاج کو جستجو ہوئی کہ یہ آخر کون شخصیت ہے، کس مسلک ومشرب سے تعلق رکھتے ہیں اور کیا ان کا پیغام ہے، احقر سے فرمایا تم کو کچھ تحقیق ہے، کبھی ان کا بیان سنا؟ اس کے بعد خود جا کر سننے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا، یہ سب صرف تحقیق وجستجو کے لئے جو مولانا کا خاص مزاج تھا، اور آج کل کے نوجوانوں اور مولویوں میں اکثر مفقود ہے۔

افراد سازی اور شان تربیت

آج کے دور میں افراد سازی اور تعلیم کے ساتھ تربیت کا اہتمام، چھوٹوں کو آگے بڑھانا ان کی ہمت افزائی اور قدر دانی کرنا، خال خال ہی لوگوں میں پایا جاتا ہے، استاد مرحوم میں خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے چھوٹوں اور طلبہ کو آگے بڑھانا چاہتے تھے، رہنمائی اور ہمت افزائی کے ذریعہ ان کے حوصلے بلند کیا کرتے تھے اور کام کے افراد تیار کرنا چاہتے تھے، طلبہ کے سامنے جب کسی مسئلہ کی تقریر وتوضیح فرماتے تو ایسے دلنشیں انداز سے کہ طلبہ مسئلہ کی تہ تک پہنچ جائیں اور پوری حقیقت سے واقف ہوجائیں، رد بریلویت وقادیانیت ان کا خاص موضوع تھا، درجہ میں آیات کی تفسیر کے ضمن میں موضوع سے متعلق بحثیں چھڑی رہتی تھیں لیکن چونکہ استاد مرحوم ہی کے حجرہ میں بعد مغرب علمی نشست ہوتی جس میں مختلف علمی بحثوں کا سلسلہ جاری رہتا اور طرح طرح کے سوال جواب سامنے آتے کبھی مولانا فرماتے اچھا اب میں بریلوی بنتا ہوں اور ان کی وکالت کرتا ہوں تم لوگ اہل حق کی طرف سے حمایت کرو، اسی طرح دیگر جماعتوں کے متعلق بھی فرماتے، دیر تک مختلف مسائل کو لے کر گفتگو جاری رہتی، مولانا کے پرزور دلائل ایسے ہوتے کہ ہم طلبہ خاموش ہوجاتے، اخیر میں خود ہی مولانا اصل مسئلہ کی حقیقت بیان فرماتے اور مدلل گفتگو فرماتے، باطل فرقوں کے سلسلہ میں مختلف کتابوں کی نشاندہی فرماتے کہ فلاں فلاں کتاب کا مطالعہ کرو، مسئلہ توحید وشرک کو سمجھانے کے لئے مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان اور علامہ ابن قیمؒ کی اغاثۃ اللھفان کے مطالعہ کی ترغیب فرماتے۔

بریلوی علماء کی کتابوں کا مولانا نے بہت تفصیلی مطالعہ کیا تھا اور جگہ جگہ نشانات وحوالے تحریر فرمائے تھے جس کو مولانا کے مطالعہ کا نچوڑ کہنا چاہئے مولانا نے وہ اپنی ذاتی کتابیں اسی طرح کاپیوں میں لکھے ہوئے حوالے سب دے دیے کہ نقل کرلو سب کام کی باتیں ہیں، کتابوں کے مطالعہ پر مولانا بہت زور دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے لیکن ہمارا مولوی محنت کا عادی نہیں مطالعہ نہیں کرنا چاہتا، کتاب ہاتھ میں لینے کی زحمت نہیں کرتا اسی لئے اس کی معلومات بہت سطحی ہوتی ہیں"۔

مضمون نگاری اور تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں بعض ہدایتیں

احقر بسا اوقات کوئی مضمون لکھتا تو اصلاح کی غرض سے مولانا کو دکھاتا، شروع میں کئی مضامین دکھائے اور اب اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مضمون تو کیا مضمون کہلانے کا بھی مستحق نہ ہوگا لیکن مولانا کی ہمت افزائی اور رہنمائی دیکھئے کہ بہت غور سے اس کو دیکھا حرفاً حرفاً پڑھا، جگہ جگہ اصلاحات فرمائیں اور خاص وقت دے کر مختلف ہدایتیں فرمائیں جو تصنیفی، تالیفی کام کرنے والوں کے لئے ہمیشہ کام آنے والی ہیں، مثلاً فرمایا لکھنے سے پہلے پڑھنا بہت چاہئے، جس موضوع پر قلم اٹھانا ہو اس کے متعلقات کو بھی دیکھنا چاہئے، آج کل لوگ لکھتے زیادہ ہیں پڑھتے کم ہیں اور لکھنے کا بھی سلیقہ نہیں ہوتا" مولانا کی ہدایت تھی کہ زبان عام فہم اور آسان ہونا چاہئے کہ مشکل اور دقیق الفاظ کے استعمال سے بچنا چاہئے معیاری اخباروں میں جو زبان استعمال ہوتی ہے وہ عام فہم اور سنجیدہ ہوتی ہے، وہی زبان استعمال کرنا چاہئے، کبھی فرماتے عوام الناس کے لئے جو زبان مولانا منظور نعمانی صاحب نے اپنی کتابوں میں "اسلام کیا ہے" وغیرہ میں استعمال کی ہے وہی زبان آسان اور وہی اسلوب عام فہم ہے اس کو بار بار پڑھو"۔

مضمون نگاری اور تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں ایک ہدایت یہ بھی فرماتے تھے کہ کبھی کسی مضمون کو ایک مرتبہ لکھنے کو کافی نہیں سمجھنا چاہئے، ایک مرتبہ لکھ کر اس کو بار بار پڑھنا چاہئے، اور محنت کر کے وقت نکال کر پھر دوبارہ اس کو لکھنا چاہئے، پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ کے لکھنے میں خود تم کو نمایاں فرق محسوس ہوگا۔

یہ بھی ہدایت فرماتے تھے کہ مضمون یا کتاب لکھنے کے بعد اس کی اشاعت میں جلدی ہرگز نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کو بار بار پڑھ کر غور کرنا چاہئے چنانچہ مولانا مرحوم نے جو مضامین لکھے کتابیں تصنیف فرمائیں ان میں یہی طرز اختیار فرمایا، سرخیوں اور عناوین قائم کرنے کے سلسلہ میں مولانا کی ہدایت یہ تھی کہ "سرخی بہت لمبی نہیں ہونی چاہئے

......(بقیہ صفحہ ۲۲ پر)

والد ماجد مرحوم مولانا محمد عارف صاحب ندوی

از ......حمزہ ندوی

کیا غم ہے اگر سارا زمانہ ہو مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اس رباعی کے سچے اور پکے آئینہ دار تھے والد ماجد مرحوم، اللہ ان کی قبر وحشر کی منزلوں کو آسان فرمائے، آمین۔

جو لوگ ان سے واقف ہیں بخوبی جانتے ہیں کہ ان کی ہر سانس میں مولانا محمد علی جوہر کی یہی رباعی تھی اور دل کی دھڑکنوں میں بجنے والا ساز یہ آواز دیتا تھا کہ:

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے

کوئی انسان اپنی خصوصیات، اپنے انداز فکر ہی کی بنیاد پر اپنا مقام اور وزن رکھتا ہے، ایک انسان انسانی قالب رکھ کر بھی انسانی صفات سے بہت دور ہوسکتا ہے اور کوئی ایسا کہ اس کی مثالیں دی جائیں۔

گھٹے اگر تو بس اک مشت خاک ہے انساں
بڑھے تو وسعتِ کونین میں سمانہ سکے

یوں تو والد صاحب مرحوم متعدد صفات حمیدہ کے مالک تھے، جن میں ہمدردی اور انکساری وغیرہ بھی شامل ہیں، لیکن توحید کی حمایت، عقیدۂ اسلامی کی حفاظت کی ہمہ وقت فکر وسعی، کلام الٰہی اور اس کی تفسیر سے والہانہ شغف ان کی شخصیت کے بہت نمایاں پہلو تھے۔ ان موضوعات سے ان کی والہانہ وابستگی کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے زبان حال سے کہہ رہے ہوں۔

جز ذوق طلب جز شوق سفر کچھ اور ہمیں منظور نہیں

توحید اسلامی عقیدے کا وہ بنیادی عنصر ہے جس پر اخروی نجات منحصر ہے، لیکن آج اس کی طرف توجہ کم دی جارہی ہے، آج توحید کی حمایت وحفاظت اور شرک وبدعت کے رد کی بات کرنے والے کو کچھ لوگ حیرت واستعجاب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میرے کہنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار کی فضا پیدا کی جائے، یہ بات بڑی ناموزوں ہے ہم کو کتاب وسنت میں اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔

باطل فرقوں کے باطل افکار کی بیخ کنی کی کوشش اور سیدھے سادے مسلمانوں کو بھٹکانے کی ناپاک سازشوں کا جواب دینا والد مرحوم کا خاص میدان تھا، ان کی بیباک تقریروں اور تحریروں سے ﴿لا یخافون لومۃ لائم﴾ کی صفت سے متصف لوگوں کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، والد صاحب مرحوم، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کی نگاہ عام طور پر حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے ایک وصف خاص اور طرۂ امتیاز پر نہیں گئی، مولانائے موصوف کا خصوصی وصف اور طرۂ امتیاز توحید تھا۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ قرآن میں بیان کردہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سوال اور ان کے لختہائے جگر کے جواب کو بڑے ہی دلکش پیرائے اور دلنشیں وبصیرت افروز انداز بیان میں اکثر وبیشتر بیان فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ "آج وقت آگیا ہے کہ ہر مسلمان اپنی اولاد سے وہی سوال کرے جو کبھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے جگر گوشوں سے کیا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟

آج واقعہ یہ ہے کہ بیگانے تو بیگانے ہم اہل حق کے دینی پروگراموں میں بھی حمد الٰہی کے لئے بہت کم گنجائش نکلتی ہے، یہ اس دور کا بڑا عجیب شاخسانہ ہے، یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ اپنے رسولؐ کے ذکر وتذکرے کو بھی پسند فرمایا ہے، اور اس کو ﴿ورفعنا لك ذكرك﴾ کہہ کر آپؐ کے لئے انعام واکرام کے طور پر اپنی کتاب میں بیان کیا ہے، اس لئے ذکر رسولؐ، رسول خدا کی نعت ومنقبت معمولی اہمیت کی حامل چیز نہیں، لیکن ہم کو قرآن وحدیث میں ذکر الٰہی، حمد الٰہی اور مدح ونعت رسول پاکؐ کا جو تناسب ملتا ہے اسکا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے، تاکہ افراط وتفریط سے بچا جاسکے۔

آج بہت سے مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ سخت مصیبت کے وقت بھی اللہ کو نہیں پکارتے، بلکہ رسولوں اور ولیوں کی دہائی دیتے ہیں، کیا ہم آج کے ایسے مسلمانوں کا عرب کے ان کفار ومشرکین سے موازنہ کرسکتے ہیں جن کے بارے میں خود قرآن کی گواہی ہے کہ جب سمندر میں سفر کے دوران ان پر موج چھا جانے والی ہوتی ہے تو وہ صرف اللہ کو ہی پکارتے ہیں؟ ایسے مسلمان اپنی نادانی اور ناواقفیت کے سبب یہاں تک کہتے ہیں کہ چونکہ دین ہم کو حضورؐ کے ذریعہ ملا ہے، اگر وہ ہم تک نہ پہنچاتے تو ہم کو کیسے ملتا اس لئے ہم اللہ سے پہلے حضورؐ کو مانتے ہیں ﴿ساء ما یحکمون﴾ ان لوگوں کو اتنی موٹی سی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر اسلام میں اللہ سے پہلے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو ماننے کی تعلیم وہدایت ہوتی تو کلمہ واذان اور نماز میں اللہ کا نام آپؐ کے نام سے پہلے کیوں آتا؟

ایسے ماحول میں یقیناً ہماری بڑی ذمہ داری ہے کہ حکمت وموعظت حسنہ کے پہلو کو پوری طرح مدنظر رکھتے ہوئے ایسے لوگوں کی اصلاح کرنے اور عقیدۂ توحید کو ان کے دلوں میں جاگزیں کرنے کی فکر کریں اور اس سے کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھیں۔

تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں بطور تعریف نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے والد صاحب مرحوم کو اس کے لئے فکر مند رہنے کی توفیق عطا فرمائی تھی، وہ اس کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے کہ لوگوں کے دلوں سے شرک وبدعت کے متعفن جراثیم کو صاف کیا جائے اور ان کو توحید خالص کا صاف ستھرا درس دیا جائے۔

اس دار الاسباب پر اگر نظر ڈالی جائے تو توحید کی حمایت اور شرک وبدعت کے رد کے جذبے کو تحریک والد مرحوم کو اپنے حقیقی چچا مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمہ سے ملی تھی۔

یہ جذبہ بحمدہ تعالیٰ وشکرہ ہمارے خاندان کے ہر ہر فرد میں پایا جاتا ہے، فالحمد للہ الذی برحمتہ تتم الصالحات۔

جو لوگ والد صاحب سے واقف ہیں وہ یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ اگر ان سے کسی کی طویل گفتگو ہوتی تھی تو بات خواہ کسی دوسرے موضوع کی کیوں نہ ہو وہ اپنے مخاطب کو آخر کار توحید کی تائید وحمایت اور شرک وبدعات کے رد یا پھر قادیانیت کے رد کی طرف ہی لے آتے تھے، یہ چیز ان کے اندر کی تڑپ کی بین دلیل ہے۔

ان کی اس خصوصیت کو دیکھ کر حضرت یوسف کا طریقۂ کار اصلاح ودعوت جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے یاد آجاتا ہے کہ ان سے جیل میں دو آدمی اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے آتے ہیں لیکن وہ اس موقع کو بھی دعوت الی اللہ اور اصلاح عقیدہ کے لئے استعمال کرتے ہیں، فرماتے ہیں: ﴿ذلک مما علمنی ربی﴾ یہ وہ (تعبیر ہے جو مجھ کو میرے رب نے سکھائی ہے اور ان سے سوال کرتے ہیں ﴿أأرباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار﴾ ''کیا جدا جدا خدا بہتر ہیں یا ایک زبردست اللہ'' (اور یہ طریقۂ کار صرف یوسف علیہ السلام ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ تمام نبیوں کا یہی طریقۂ کار تھا کہ ہر موقع پر ان کی یہی کوشش رہتی تھی کہ کسی طرح لوگوں کو شرک وبت پرستی سے ہٹا کر خدائے وحدہ لاشریک کے در پر لا کر جھکا دیں)۔

فخر ومباہات کے طور پر نہیں، بلکہ تحدیث نعمت کے لئے کہتا ہوں کہ یہی طریقۂ کار اللہ تبارک وتعالیٰ نے والد صاحب مرحوم کو بھی عنایت فرمایا تھا کہ وہ ہر موقع پر اپنے ہر مخاطب کو اصلاح عقیدہ پر ہی ابھارتے تھے۔

اور جیسا کہ آپ لوگوں نے پڑھا احقر نے بھی اپنے اس زیر نظر مضمون میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ والد صاحب مرحوم کی شخصیت پر ان کی فکر کا پہلو غالب رہے، یہ بھی والد صاحب کے زیر تربیت رہنے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمہ کی تصانیف پڑھنے کا نتیجہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ والد مرحوم کی مساعی کو قبول فرما کر ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، اور ہر کلمہ گو کو سچا اور پکا موحد مومن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

......(بقیہ صفحہ ۲۰ کا)

بلکہ مختصر اور ایسی کہ طبیعت میں خود ہی مضمون پڑھنے کا اشتیاق پیدا ہونے لگے، طبیعت پھڑک اٹھے کہ اس میں کیا ہوگا اس کو ضرور دیکھنا چاہئے''۔

مولاناؒ میں خاص وصف یہ تھا کہ اس راہ میں قدم رکھنے والوں کی بڑی دلجوئی، ہمت افزائی فرماتے تھے، ان کے حوصلے بلند کرتے رہنمائی فرماتے، دل کبھی چھوٹا نہ ہونے دیتے، ہمت پست نہ ہونے دیتے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ کے افادات پر مشتمل احقر کی کئی کتابیں طبع ہو چکی ہیں مولانا کی نظر سے گذریں بعض کتابوں کی بابت فرمایا تمہاری فلاں کتاب بڑی پسند آئی اس میں توحید وشرک نذر ونیاز سے متعلق ایسی باتیں مل گئیں جو اب تک میرے علم میں نہ تھیں، جگہ جگہ میں نے نشانات لگا رکھے ہیں اور حوالے لکھ لئے ہیں، اور فلاں کتاب بہت مفید ہے گھر کی عورتوں نے اس کو پڑھا بہت فائدہ ہوا، اخیر زمانہ میں حضرت مولانا اسحاق حسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر احقر نے ایک مضمون لکھا تھا جو بانگ حرا رسالہ میں شائع ہوا تھا، ملاقات ہونے پر مولانا نے فوراً فرمایا کہ تمہارا مضمون مجھے بہت پسند آیا گھر میں عورتوں نے بھی پڑھا بہت مفید مضمون ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ تربیت کے باب میں رہنمائی کے ساتھ ہمت افزائی ودلجوئی کی بڑی اہمیت ہے، ہمارے بڑوں میں یہ بات پائی جاتی تھی تاکہ چھوٹوں کا حوصلہ بلند ہو لکھنے پڑھنے اور کام کرنے کا مزید شوق پیدا ہوا، اس طرح ہمت افزائی کرکے وہ چھوٹوں کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتے تھے، مولانا مرحوم میں یہ وصف پورے طور پر پایا جاتا تھا۔

(جاری)

تین دن اردن کی سرزمین میں

از .... پروفیسر محسن عثمانی ندوی

ہم آخر شب کے مسافر تھے، تاروں کی روشنی میں ہماری بس وسیع وعریض سڑک پر پوری تیز رفتاری کے ساتھ سامنے کی تیز روشنی سے اندھیرے کا سینہ چاک کرتے ہوئے دوڑ رہی تھی۔ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ اردن کا مرکزی شہر عمان قریب آتا جا رہا تھا اور سعودی عرب کی سرحد پیچھے چھوٹتی ہوئی دور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ملگجے بادلوں کے ٹکڑے آسمان پر آکر جمع ہونے لگے تھے اور تاروں کی روشنی مقابلہ کی تاب نہ لاکر نڈھال ہو کر بجھنے لگی تھی۔ یہ پہلا سفر تھا جس میں ہم ایسے نئے شہر میں داخل ہو رہے تھے جہاں کوئی ہمارا میزبان نہ تھا، کوئی استقبال کرنے والا نہ تھا۔ ہم نے اس کی کوشش کی ہوتی تو کوئی نہ کوئی میزبان مل جاتا۔ ہم رابطۂ ادب اسلامی کے ممبر تھے اور عالمی تنظیم کا دفتر اس شہر میں بھی قائم تھا لیکن ہم نے بالکل اجنبی پردیسی بن کر اس شہر میں داخل ہونا پسند کیا تھا۔

ہماری بس جب عمان کے بس اسٹینڈ پر آکر رکی تو فجر صادق کے طلوع ہونے کا وقت تھا۔ رم جھم رم جھم پانی برس رہا تھا اور قطرہ قطرہ آسمان پگھل رہا تھا، بس اسٹینڈ کی روشنیوں کے سوا گرد وپیش اور کوئی روشنی نہ تھی، سڑکوں پر روشنی کم تھی اسٹریٹ لائٹ شاید تھک کر اونگھ رہی تھی مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس وقت کہاں جاؤں اور قیام کے لئے جگہ کہاں ڈھونڈوں۔ بارش کی وجہ سے رہ گذر پر سناٹا تھا اور سردی خوب چمک اٹھی تھی، اردن بھی ان ملکوں میں سے ہے جہاں بارش صرف سردیوں کے زمانہ میں ہوتی ہے۔ اور جب ہوتی ہے تو یہ سردی کے شباب کا زمانہ ہوتا ہے، برفیلی ہوائیں جسم کے اندر گھسنے لگتی ہیں، کچھ پریشانی محسوس ہوئی لیکن یہ ایڈوانچر اچھا بھی لگا اور مہم جوئی کچھ اساطیری نوعیت کی محسوس ہونے لگی، میں بس اسٹینڈ کی عمارت سے نکل کر باہر آیا، بارش تیز ہو چکی تھی اس لیے میں پھر عمارت میں واپس آگیا، مجھے مجاز کی نظم یاد آنے لگی اور سوچنے لگا کہ ''شہر کی رات اور میں ناشاد وناکارہ پھروں، جگمگاتی جاگتی سڑکوں پہ آوارہ پھروں، پھر دل نے سوال کیا کہ ''غیر کی بستی ہے کب تک در در مارا پھروں'' ایک ٹیکسی عمارت میں آکر رکی اور ہم نے اسے غنیمت جانا اور عربی زبان میں اس سے کہا کہ کسی قریب کے محلہ میں اوسط درجہ کے ہوٹل میں لے چلو۔ میں تھوڑی دیر میں ایک بازار میں سڑک کے کنارے ایک ہوٹل میں پہونچ گیا، ٹیکسی ڈرائیور کو منہ مانگے پیسے دے دئے گئے۔ یہاں کی کرنسی ہم سعودی عرب سے لے کر چلے تھے، اب ہم تھے اور ہوٹل تھا اور غم دل اور وحشت دل۔

ہوٹل بھی سردی کی شدت اور رات کی تاریکی کی وجہ سے ویران سا تھا، ہمارے پہونچنے اور سامان اتارنے کی آواز سن کر ایک سوتا ہوا شخص اپنی نیند سے بیدار ہوا، رجسٹر پر ضروری اندراجات کے بعد اس نے ہمیں ایک کمرہ میں پہونچا دیا، کمرہ کو گرم کرنے کے لئے یہاں روم ہیٹر کا انتظام ہم لوگوں کے وطن سے بالکل مختلف تھا، کچھ دیر میں کمرہ گرم ہوا تو جان میں جان آئی صبح کی نماز کا وقت ہو چلا تھا، ہم نے کپڑے بدلے اور وضو کر کے صبح کی نماز ادا کی اور بستر پر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے، بارش اور بھی تیز ہو چلی تھی، بارش کے قطرے پوری شدت کے ساتھ جل ترنگ بجاتے ہوئے باہر سڑک پر اور چھت پر گر رہے تھے، ہوائیں سیٹیاں بجا رہی تھیں، لیکن کمرہ گرم ہو چکا تھا، دو گرم کمبل اوڑھ کر نرم گدوں پر دراز ہونے کا لطف دوبالا ہو گیا اور پھر مہربان نیند نے ہم کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

پورے دو گھنٹے بعد آنکھ کھلی، کچھ اور سونے کی کوشش کی تو نیند نہیں آئی، ایک تو اس لیے کہ دیر تک دن میں سونے کی کبھی عادت نہیں رہی دوسرے یہ کہ ہم شہر اور تاریخی مقامات دیکھنے کے لئے آئے تھے ''سونا بنانے'' کے لیے نہیں آئے تھے۔ ہم اٹھ کھڑے ہوئے واش بیسن پر ہاتھ منہ دھو کر خود کو تر وتازہ کیا ہوٹل کے بیرے کو بلا کر چائے اور مختصر ناشتہ کا آرڈر ہم نے دے دیا، ناشتہ سے فارغ ہو کر باہر دیکھا تو بارش رک چکی تھی لیکن تیز اور یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں، سڑکوں پر تھوڑی بہت رونق آنے لگی تھی، بیشتر لوگوں کے ہاتھوں میں چھتریاں تھیں، کچھ لوگ گرم سوٹ کے اوپر رین کوٹ پہنے ہوئے تھے اور قدرتی رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔

دوپہر کے قریب بارش بالکل تھم چکی تھی، ہم نے ہوٹل سے کارڈ لے کر رکھ لیا تاکہ راستوں میں گم ہو جائیں تو پتہ پوچھ کر پھر اس ہوٹل میں واپس ہو جائیں، ہوٹل سے باہر نکلا، سڑکوں پر کہیں کہیں پانی جما ہوا تھا، ہوا سرد تھی، لوگ سڑکوں پر اپنی اپنی منزل کی

طرف رواں دواں جا رہے تھے، مرد بھی، عورتیں بھی، اردن قدیم ملک شام کا حصہ تھا، سامراجی حکومت نے ملک کے حصے بخرے کردیے تھے، ایک ملک کے ٹکڑے کردیے اور اس کو کئی ملکوں میں بانٹ دیا، یہ ملک بھی قدیم شام کا حصہ ہے، جس طرح لبنان، فلسطین، سیریا، قدیم شام کا حصہ ہے، میں دور تک کئی کیلومیٹر تک مختلف سڑکوں اور شاہراہوں پر گھومتا رہا، کسی ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھایا اور چائے پی، ہر چیز مختلف، ہر کھانے کا مزا مختلف، ہر شئی اجنبی، ہم نے ایک نئی دنیا میں قدم رکھا تھا۔

ہم نے ایک جگہ سے اردن یونیورسٹی جامعۃ الزرقاء، کے ایک پروفیسر مأمون جرار صاحب کو جو رابطۂ ادب اسلامی کے ممبر ہیں فون کیا، انہوں نے پوچھا آپ کہاں پر ہیں میں نے سڑک کا نام اور اس عمارت کے بارے میں بتایا جہاں پر میں کھڑا تھا، انہوں نے کچھ دیر میں ملنے کا وعدہ کیا اور ابھی بیس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ ان کی کار آکر رکی اور وہ آکر ہم سے ملے، ہم لوگوں نے بات چیت کی ایک دوسرے کی خیریت پوچھی انہوں نے ہندوستان کے حالات اور رابطۂ ادب اسلامی کے کاموں کے بارے میں دریافت کیا، پھر وہ ہم کو لے کر رومی عہد کی یادگار ایک اسٹیڈیم کی طرف گئے، اور بتایا کہ یہاں کھیل کود ہوتے تھے اور جنگلی جانور اور شیر کے سامنے انسان کو کھڑا کردیا جاتا تھا اور تمام ارباب حکومت اور امراء اور وزراء شیر کے حملہ کرنے اور انسان کے زخمی ہونے اور تڑپنے اور مرنے کا منظر دلچسپی کے ساتھ دیکھتے تھے۔ یہ رومی تہذیب تھی جس کی سنگ دلی اور وحشت و بربریت پر شرمندہ ہونے کے بجائے مغربی قومیں ناز کرتی ہیں، ایک مدوّر اسٹیڈیم تھا، کنارے کنارے پتھروں کی بھی بڑی کرسیاں اور تماشہ بینوں کے بیٹھنے کی جگہیں بنی ہوئی تھیں، رومی عہد کے ستون عمارت میں لگے ہوئے تھے، یہ ستون مدوّر اور مستطیل ہوتے ہیں جس طرح دہلی کی پارلیمنٹ کی عمارت میں ستون ہیں، یہ اسٹیڈیم قدیم زمانہ میں اولمپک کھیلوں کے لئے استعمال ہوتا تھا، ہزاروں سال پرانا شہر اپنے دامن میں قدیم تہذیب کے بے شمار آثار بھی رکھتا ہے، شہر پہاڑوں کے اوپر اور پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے، اس نشیب وفراز نے شہر کو حسین بنادیا ہے، لوگ بھی خوش اخلاق ہیں، چند دن کے قیام میں مہمان نوازی، مسافر نوازی کے حیرت انگیز نمونے مل گئے، رابطۂ ادب اسلامی کے ذمہ دار اور اردن یونیورسٹی کے استاد ایک گھنٹہ تک ہمارے ساتھ رہے اور ایک ہوٹل میں لے جاکر مجھے ''کنافہ'' نام کی مٹھائی کھلائی، یہ کنافہ اصلاً شام کی مٹھائی ہے لیکن عراق میں، سعودی عرب میں، ہر جگہ ملتی ہے، عرب کی مٹھائیوں میں کنافہ کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے اور یہ مٹھائی بہت پسند کی جاتی ہے۔

فلسطین، لبنان، اردن، شام ایک ہی خطۂ زمین ہے، اور لفظ شام کا اطلاق اس پورے خطۂ زمین پر ہوتا تھا، واقدی کی فتوح الشام میں اس پورے علاقہ کی فتح کی روداد ہے، یہ علاقہ مناظرِ فطرت کا گہوارہ ہے، آب وہوا اس پورے علاقہ کی صحت افزاء اور فرحت بخش ہے لوگ بھی گورے چٹے اور خوش شکل ہیں، خواتین شمشاد قد اور کشیدہ قامت اور خوش پوشاک اور عموماً حجاب میں ہوتی ہیں شام کے حسن پر ہر جگہ کا حسن قربان، عمر رسیدہ لوگ نہ صرف سرخ وسفید ہوتے ہیں بلکہ معنوی نور سر سے پیر تک چھایا رہتا ہے، داڑھی اور جبے کے ساتھ ایک ملکوتی رنگ ان پر طاری ہوجاتا ہے۔

یہ پوری سرزمین انبیاء کرام کی سرزمین ہے، صحابہ کرامؓ کی جتنی قبریں اس خطۂ ارض میں ہیں اتنی کہیں اور نہیں ملیں گی، اس میں جنت البقیع اور جنت المعلیٰ کا استثنیٰ ہوسکتا ہے، اردن سے مجھے آگے شام جانا تھا اور میرے پاس اردن میں صرف تین دن عارضی قیام کا اجازت نامہ تھا، ایک پورا دن بارش کی نذر ہوگیا اور باقی وقت شہر عمان کے مارکٹ اور اسٹیڈیم دیکھنے میں گذرا، تمام اجنبیتوں کے باوجود اس شہر سے دل کو ایک لگاؤ محسوس ہوا۔

بازار کی ایک مسجد میں جو بلندی پر واقع تھی مغرب کی نماز پڑھی، نماز مغرب کے وقت بارش پھر شروع ہوگئی لیکن یہ بارش بہت ہلکی تھی، لیکن امام صاحب نے مغرب کی نماز کا سلام پھیرا تو فوراً عشاء کی نماز کا اعلان کردیا کیونکہ بارش ہورہی تھی، یعنی وہ بارش کی وجہ سے جمع بین الصلاتین کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، مجھے خوشی ہوئی کیونکہ سفر کی وجہ سے جمع بین الصلاتین کرنے کا موقع تو بہت ملا ہے اب ''مطر'' یعنی بارش کی وجہ سے اس جمع بین الصلاتین میں شامل ہونے کا موقع مل رہا تھا، یہ سنتے آئے تھے کہ عرب حضرات بارش کی وجہ سے بھی دو نمازوں کو جمع کرتے ہیں لیکن آج پہلی بار ایسی نماز میں شریک ہونے کا موقع ملا، جمع بین الصلاتین احادیث سے ثابت ہے اس لئے ائمہ اربعہ میں سے تین ائمہ اس کے قائل ہیں، سفر میں احناف کو چھوڑ کر تمام مسلمان جمع کرتے ہیں، بات سمجھ میں آتی ہے، آج حکومتیں بھی مسافروں اور ٹورسٹوں کو طرح طرح کے کنسیشن دیتی ہیں، اسلامی قانون میں مسافر کو زکوٰۃ بھی دی جاسکتی ہے، اس لئے اگر سفر میں کچھ سہولت اور تخفیف اسلامی قانون میں برتی جاتی ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، نماز میں تخفیف یعنی قصر کرنے پر تو تمام ائمہ کا پہلے سے اتفاق ہے، البتہ جمع بین الصلاتین پر تین ائمہ متفق ہیں۔

مسجد میں مغرب اور عشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، نماز کے بعد امام مسجد سے ملاقات

ہوئی اور پھر بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی، ہندوستان کے حالات علماء اور مدارس عربیہ اور مسلمانوں کے دستوری حقوق کے بارے میں ان کے سوالات کے جواب دیتا رہا، وہ بہت سے ہندوستان مسلمان علماء سے واقف تھے اور مولانا علی میاں کی کتابیں پڑھ چکے تھے، انہوں نے میری جائے قیام کے بارے میں دریافت کیا میں نے پتہ اور ہوٹل کا کرایہ بھی بتایا، اس پر انہوں نے کہا کہ یہ تو بہت زیادہ ہے، انہوں نے ایک آدمی کو ساتھ کیا کہ ہوٹل سے سامان لے کر آئیں اور بالکل قریب ایک دوسرے ہوٹل میں کافی کم کرایہ پر کمرہ کا انہوں نے انتظام کردیا، انہوں نے دوسرے دن ناشتہ کی اپنے گھر پر دعوت کی اور اغوار جانے کے لئے میرے لئے ایک بہت خوش اخلاق رہبر کا انتظام کردیا، ایک پردیسی، اجنبی، مسافر کے ساتھ کس قدر اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ ہورہا تھا۔

اغوار میں: اغوار شہر سے باہر نشیب میں واقع ہے اور شہر عمان سے ڈیڑھ گھنٹہ کی دوری پر واقع ہے، یہ علاقہ بہت سرسبز اور خوش نما تھا، سڑک کے دونوں جانب کہیں کھیت تھے، کہیں عمارتیں تھیں اور کہیں باغات تھے، ایک اجنبی سیاح ایک ایک چیز کو شوق اور جستجو کی نگاہ سے دیکھتا ہوا اغوار پہونچا، بس نے سڑک پر اتار دیا، بائیں جانب ایک دوسرا راستہ تھا جو باغوں سے گذر رہا تھا، باغوں میں پھل لگے ہوئے تھے جس سے درخت کی شاخیں بہت خوبصورت نظر آرہی تھیں، ''کند شاخ پر میوہ سر بر زمین'' کا منظر سامنے تھا، ہم ابوعبیدہ بن جراحؓ کی مسجد میں پہونچے جس کے ایک گوشے میں امین الامۃ فاتح شام حضرت ابوعبیدہ کی قبر ہے، دمشق کو حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابوعبیدہ دونوں نے مل کر فتح کیا تھا اور دونوں آخر میں شہر کے مرکزی مقام پر جمع ہوئے تھے، حضرت ابوعبیدہ جلیل القدر صحابی رسول ہیں اور عشرۂ مبشرہ میں ہیں۔ اور آپؐ کے ساتھ غزوات میں شریک رہے ہیں، غزوہ بدر میں بھی شریک تھے، بدر میں غنیم کی فوج میں آپ کے والد تھے، جب جنگ میں آمنا سامنا ہوا تو حضرت ابوعبیدہ کی تلوار اپنے والد پر اٹھ گئی، دین توحید کا رشتہ نسب کے رشتہ پر غالب آگیا اور بیٹے نے باپ کو جو دشمن اسلام تھا قتل کردیا، اس سے معلوم ہوا کہ نسب سے بڑی رشتہ داری اور تمام وفاداریوں سے زیادہ بڑی وفاداری دین اسلام کے ساتھ ہے، جنگ احد میں جب خود کی زنجیر کی کڑی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک میں پیوست ہوگئی تھی تو حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے دانتوں سے نکالا تھا، اور کوشش میں ان کے دو دانت ٹوٹ گئے تھے، حضرت ابوعبیدہؓ شام کے گورنر بنائے گئے لیکن فقیرانہ، درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے، وہ کہتے تھے انسان کے پاس بس اتنا اثاثہ ہو کہ اسے اپنی حقیقی خواب گاہ (قبر) تک پہونچادے۔

آخر میں طاعون سے آپ کی وفات ہوئی، حضرت ابوعبیدہ کی قبر سے چند کیلومیٹر کے اندر دو ممتاز صحابی رسول کی قبریں ہیں ایک حضرت ضرار بن ازور اور دوسرے حضرت شرحبیل بن حسنہ، عمواس کے طاعون میں حضرت ابوعبیدہ کی طرح حضرت شرحبیل کا بھی انتقال ہوا، یہاں سے جنوب کی طرف ۲۵ر کیلومیٹر کے فاصلہ پر حضرت معاذ بن جبل کا مزار ہے، جو ایک خوبصورت سی مسجد کے اندر ہے، یہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کو حضور اکرم نے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، اور ان کے بارے میں فرمایا تھا اعلمهم بالحلال والحرام، جائز اور ناجائز باتوں کا سب سے زیادہ علم ان کو حاصل ہے، عمواس کے طاعون میں آپ کا بھی انتقال ہوا تھا۔

اغوار جانے کے راستہ پر آتے اور جاتے ہوئے یہ خیال دامن گیر رہا کہ اس سرزمین پر صحابہؓ کرام اور مجاہدین اسلام کے قافلے گزرے ہوں گے، یہاں کی مٹی ان کے قدموں سے پامال بلکہ درحقیقت مالا مال ہوئی ہوگی، یہاں تو بسوں پر بیٹھ کر سفر کرنے کے بجائے سر کے بل چلنا چاہئے تھا، یہاں کی غبار راہ سیم وزر سے بہتر اور یہاں کے سنگ ریزے جوہر اور گوہر سے زیادہ قیمتی ہیں، صحابہ کرامؓ کی قبریں یہاں بہت بڑی بڑی ہیں، شاید احترام میں یہ قبریں بہت بڑے سائز میں بنائی گئی ہیں۔

اغوار کے گرد وپیش میں صحابۂ کرام کی قبروں کی زیارت کرنے اور ایصال ثواب کے بعد ہم عمان لوٹ آئے ہمارے لیے رہبر جو ملے تھے وہ بہت خوش اخلاق تھے، لیکن ان کی مشکل یہ تھی کہ وہ صحیح اور فصیح عربی بولنے پر قادر نہ تھے اور صرف مقامی لہجہ میں گفتگو کرسکتے تھے، اس وجہ سے ہم زیادہ ان سے ہم کلام نہیں ہوسکے، ہمارے سوالوں کے جواب جو وہ دیتے تھے وہ اکثر میرے لئے قابل فہم نہیں ہوتے تھے...... (باقی آئندہ)

ایک ضروری اعلان

کاغذ کی ہوش ربا گرانی، پوسٹنگ چارج میں غیر معمولی اضافے نیز کمپوزنگ اور طباعت و تجلید کی اجرت میں زیادتی کی وجہ سے ادارہ ''تعمیر حیات'' نے بہت تردد کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ ماہ اگست سے سالانہ خریداری ۲۰۰ر روپے اور ایک شمارہ کی قیمت ۱۰ر روپے ہوگی۔

امید ہے کہ قارئین ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیں گے کہ ان کے مخلصانہ تعاون ہی سے اب تک ہم نے یہ سفر طے کیا ہے۔

(ادارہ)

فقہی مسائل

از: .... مفتی محمد طارق ندوی

سوال: قرآن کریم اگر اونچی الماری پر رکھا ہے تو چارپائی پر اسی کمرہ میں اس کی طرف پیر کر کے لیٹنا کیسا ہے؟

جواب: اگر قرآن کریم پیروں کے سامنے نہیں ہے بلکہ بلند مقام پر رکھا ہوا ہے تو پیروں کو اس کی طرف رکھنے کی گنجائش ہے۔

سوال: نابالغ لڑکے کی اذان کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر لڑکا سمجھدار ہے کہ اس کی اذان کو لوگ کھیل نہ سمجھیں تو اذان صحیح ہو جائے گی مگر بہر کیف بالغ کی اذان افضل ہے اور اگر نا سمجھ بچے نے اذان دی تو دہرائی جائے گی۔

سوال: اذان میں مؤذن اللہ اکبر کے بجائے اکبار کہتا ہے تو اذان ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: اذان تو ہو جائے گی لیکن اس طرح کہنا غلط اور گناہ ہے۔

سوال: کتا کپڑوں سے رگڑتا ہوا چلا جائے تو کپڑا بدلنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

جواب: کتے کا لعاب نجس ہے، اگر لعاب نہیں لگا بلکہ صرف خشک کپڑا جسم کو لگا ہے تو اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا نماز کے لئے اس کپڑے کو دھونا یا تبدیل کرنا ضروری نہیں ہے۔

سوال: ہندو دھوبی کے یہاں دھلے ہوئے کپڑے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں کپڑا پاک ہو جاتا ہے اور نماز ہو جاتی ہے۔

سوال: اقامت کہنے والا اگر دوسری یا تیسری صف میں ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: تب بھی درست ہے۔

سوال: امام نے سجدۂ سہو کرنے کے لئے سلام پھیرا، مسبوق نے بھی قصداً سلام پھیر دیا تو اس صورت میں مسبوق کی نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب: اس مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی سجدۂ سہو سے بھی تلافی نہ ہوگی۔

سوال: اگر مسبوق بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دے اور بعد میں دوسرے کے کہنے پر بقیہ نماز پوری کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

جواب: ایسی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے نماز کی حالت میں غیر سے مدد حاصل کی۔

سوال: بہت سے مقامات پر دفن کے وقت قبر پر اذان دیتے ہیں کیا شرعاً اس کا ثبوت ہے؟

جواب: نہیں شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بے بنیاد عمل ہے جس کا ترک کرنا ضروری ہے، یہ صریح بدعت ہے۔

سوال: قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا کیسا ہے؟

جواب: قبروں پر چلنا جوتا پہن کر اور ننگے پاؤں دونوں منع ہے، قبروں سے بچ کر جوتا پہنے ہوئے بھی چلنا درست ہے۔

سوال: بے نمازی متولی بن سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: متولی کو انتظام میں ماہر ہونے کے ساتھ امانت دار ہونا بھی ضروری ہے اور جو شخص تارک صلاۃ ہوگا تو وہ شرعاً فاسق ہے تو وہ دیانتدار کیسے ہو سکتا ہے اور جو نماز نہ پڑھے اس کی تولیت شرعاً کیسے معتبر ہوگی۔

سوال: اگر نماز میں کوئی شخص جو نماز میں شریک نہیں ہے باہر سے لقمہ دے اور امام اس لقمہ کو لے لے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ نماز کی حالت میں ایک ایسے شخص سے مدد لی جو نماز کے باہر ہے۔

☆☆☆☆☆

اعلان مفقود الخبر

مقدمہ ۱۱/۵۰۵

مدعیہ: **روبینہ بانو** بنت محمد عثمان مرحوم ساکن مکان نمبر ۹/۵۳۲۸ پرانا ہنومان مندر علی گنج، لکھنؤ

بنام، مدعیٰ علیہ: **محمد حسنین** ولد محمد عقیل ساکن بڑیل پرانی چوک بڑیل ضلع بارہ بنکی (یوپی)

اطلاع بنام مدعیٰ علیہ

باعث تحریر یہ ہے کہ مدعیہ روبینہ بانو بنت محمد عثمان مرحوم نے آپ کے خلاف یہاں دار القضاء میں نان ونفقہ نہ دینے، حقوق زوجیت ادا نہ کرنے نیز عرصۂ دراز سے غائب ولاپتہ رہنے کی بناء پر فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا ہے، مقدمہ ہذا کی اگلی پیشی بتاریخ ۷ر رجب ۱۴۲۷ھ مطابق ۲ر اگست ۲۰۰۶ء بروز بدھ بوقت تین بجے دن مقرر کی گئی ہے۔ اس اعلان کے ذریعہ آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں تاریخ مذکور پر اصالۃً یا وکالۃً دار القضاء حاضر ہو کر مقدمہ ہذا کی پیروی کریں، تاریخ مذکور پر پیروی نہ پائے جانے کی صورت میں مقدمہ ہذا یکطرفہ طور پر فیصل کیا جا سکتا ہے۔

محمد مستقیم ندوی
شریک قاضی
مرکزی دار القضاء ندوۃ العلماء لکھنؤ

عالمی یہودی تنظیم

فری میسن کلب

از: .... محمد وثیق ندوی

یہودیوں کی قدیم ترین عالمی تنظیم فری میسن سے ہم مسلمان عام طور سے بالکل واقف نہیں، اسی طرح روٹری کلب، لائنز کلب اور بہت سی انسانیت دشمن تخریبی تنظیموں سے ہم بے خبر ہیں، ہم مسلمان اپنے دشمنوں سے واقف نہیں کہ ان کے مقاصد کیا ہیں اور کس طرح کی تخریبی سرگرمیاں وہ انجام دیتی ہیں، ان کا طریقہ کار کیا ہے، مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور تاجر حضرات بے خبری اور ناواقفیت میں ایسے کلبوں اور انجمنوں کے ممبر بن جاتے ہیں اور لاشعوری میں دشمنوں کے آلۂ کار بن جاتے ہیں ''ہوشیار اے ملت بیضائے ما'' کے مستقل عنوان سے ہم نے اس نئے کالم کا آغاز کیا ہے، اس شمارہ میں فری میسن کلب کے قیام، پس منظر اور مقاصد پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ امید ہے دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

ماسونیت ایک خفیہ یہودی تنظیم ہے، جو انتہائی منظم و مستحکم ہے، اس کا نٹ ورک پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، اس کا بنیادی اور اولین مقصد پوری دنیا میں یہودیوں کے غلبہ واقتدار کے لئے راہ ہموار کرنا، اور ان کے مفادات کو تحفظ فراہم کرنا ہے، اور اس کے دیگر مقاصد میں انسانی سوسائٹی میں الحاد و بے دینی، بدعنوانی و بے راہ روی، بدکرداری و فحاشی، انارکی و تخریب، اور فساد و بگاڑ کو عام کرنا ہے، اس کے ممبران ایسے افراد بنائے جاتے ہیں جو بااثر اور صاحب دولت و ثروت ہوتے ہیں، ان سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ وہ انتہائی رازدارانہ اور خفیہ طریقہ پر کام کریں گے، ہر معاملہ کو صیغۂ راز میں رکھیں گے، اور اپنی اپنی سطح پر ماسونی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں رہیں گے، یہ ممبران فری میسن کلب کے نام سے کام کرتے ہیں۔

نام

ماسونیت کا نام Free Masonry ہے جس کے لغوی معنی ''انجمن معماران احرار'' کے ہیں۔

ماسونیت کا بانی رومن امپائر کا بادشاہ ہیرو ڈوس (وفات ۴۴ء) ہے۔ اس نے اپنے یہودی مشیروں حیرام ابیود (نائب صدر) اور مواب لامی کے اشتراک سے ایک خفیہ تنظیم ''مخفی قوت'' کے نام سے قائم کی تھی، جس کا مقصد عیسائیوں کا قلع قمع کرنا، اور عیسائیت کو مٹانا تھا، اس تنظیم کی ایک خفیہ مجلس تھی جو نو ارکان پر مشتمل تھی، جن کے رہنما یہی تینوں اشخاص تھے۔

ماسونیت کی بنیاد روز اول سے مکر و فریب، جعل سازی و مکاری اور دہشت گردی و انتہا پسندی پر ہے، اس نے اپنی تخریبی کوششوں کو ایسے لبادوں میں چھپایا جو دنیا کے لئے توجہ و دل کشی کا باعث ہوئے، مثلاً مزدوروں و محنت کشوں کی ہمدردی کا نعرہ، انصاف و مساوات کا نعرہ، اس طرح کے پرفریب و خوشنما پرکشش نعروں، ناموں، اصطلاحوں اور عنوانات کے ذریعہ لوگوں کو دھوکا دیا ہے، ماسونیوں نے اپنی محفل کا نام ''ہیکل اورشلیم'' رکھا، صرف یہ باور کرانے کے لئے کہ یہ ہیکل سلیمانی ہے۔

یہودی حاخام لاکویز نے صریح اور واضح لفظوں میں لکھا ہے کہ ماسونیت سرتاپا یہودی تنظیم ہے، ماسونیت کا طریقۂ کار، لائحۂ عمل، اغراض اور اس کی تاریخ کے جائزہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ماسونیت ایک خالص یہودی تنظیم ہے۔

تاریخ قیام

ماسونیت کا قیام کب ہوا؟ اس بارے میں مورخین اور محققین کے آراء مختلف ہیں، راجح قول یہ ہے کہ اس کا قیام ۴۳ عیسوی میں ہوا، ابتداء میں اس کا نام ''مخفی قوت'' رکھا گیا، اور اس کا مقصد نصاریٰ کا صفایا اور عیسائیت کو ختم کرنا قرار پایا، پھر چند صدیوں کے بعد اس کا نام ماسونیت رکھا گیا جس کے معنی فری

میسن لاج کے ہیں، ڈاکٹر محمد علی زعبی کی رائے ہے کہ "مخفی قوت" نامی تنظیم نے لندن کانفرنس میں جو ۱۷۱۷ء میں انڈرسن James Anderson کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی "ماسونیت" کا نیا نام اختیار کیا، دوسرے محققین کی رائے یہ ہے کہ اس نام کا استعمال سب سے پہلے گاڈفرے بولر Godefroi Debruilor نے کیا، اس عنوان کے پردہ میں یہودیوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے کام شروع کیا، یہ ماسونیت کا پہلا مرحلہ تھا۔

پہلا لاج

فری میسن لاجوں کے معیار کے اعتبار سے سب سے بڑا ماسونی لاج برطانیہ میں ہے جس کا نام The United Grand Lodage ہے، یہ سب سے پہلا ظاہری ماسونی لاج ہے، اس کا قیام ۱۷۱۷ء میں ہوا، یہ اپنے افکار ونظریات ایک مجلہ میں شائع کرتا ہے جس کا نام Aro Buarteur Conoriun ہے یہ لاطینی زبان میں نکلتا ہے۔

ماسونیت کا دوسرا مرحلہ ۱۷۷۰ء میں آدم وائزہاٹ سے شروع ہوتا ہے، یہ عیسائیت کا ماننے والا تھا، بعد میں عیسائیت سے منحرف ہوگیا، اور یہودیوں نے اس کی علمی عبقریت سے فائدہ اٹھانے کے لئے رابطہ قائم کیا اور اس کے سامنے پوری دنیا پر قبضہ حاصل کرنے کا منصوبہ رکھا جسے اس نے قبول کرلیا، عملی تنفیذ کے لئے سب سے پہلا قدم اس نے یہ اٹھایا کہ جماعت نور کی بنیاد ڈالی، جسے شیطان کی طرف منسوب کیا گیا جس کی یہ نورنین تعظیم وتقدیس کرتے ہیں، اس کے بعد وائزہاٹ نے تقریبا دوہزار اصحاب فکر کو اپنا ہمنوا بنالیا جن میں زبان وادب، علوم، معاشیات، سیاست اور مختلف فن کے ماہرین تھے، اور ان کے اشتراک سے "محفل الشرق الاوسط" کے نام ایک مرکزی لاج قائم کیا، اس مرکزی فری سن لاج کے ذریعہ دانشوروں، ماہرین، اور سیاسی لیڈروں کو ماسونیت کے مفادات واغراض کے حصول میں استعمال کیا، اور پرفریب و پرکشش عنوانات واعلانات کے ذریعہ بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دیا گیا۔

ماسونیت کے ممتاز مفکرین و دانشور مندرجہ ذیل اشخاص ہیں:

۱۔ آدم وائزہاٹ: (وفات ۱۸۳۰ء) یہ جرمنی میں ۱۷۴۰ء میں پیدا ہوا، عیسائی ہے، اور ماسونیت کی تشکیل جدید کا بانی ہے۔

۲۔ میرابو: فرانسیسی انقلاب میں اس نے قائدانہ رول ادا کیا۔

۳۔ مازینی: یہ اٹلی کا رہنے والا ہے، وائزہاٹ کے بعد ماسونیت کی باگ ڈور سنبھالی۔

۴۔ امریکی جنرل البرٹ مایک: اس نے ماسونیت کے تخریبی منصوبوں کو نافذ کیا۔

۵۔ لیوم بلوم: یہ فرانس کا رہنے والا ہے، یہ انتہائی بد اخلاق وبدکردار تھا، اس نے "شادی" کے نام سے ایک کتاب لکھی، بعض ناظرین ومبصرین کے مطابق اس سے فحش کتاب نہیں لکھی گئی۔

۶۔ کارڈیلوس: یہودی ہے، یہ انتہائی خطرناک ماسونی اس کی ایک کتاب "العلاقات الخطرۃ" ہے۔

۷۔ ماتسینی جوزیبی (۱۸۰۵-۱۸۷۲م)۔

۸۔ جان جاک روسو، وولٹیر، جرجی زیدان اور کارل مارکس بھی ماسونی ہیں۔

ماسونیت نے انسانی ہمدردی کے نام سے مختلف ادارے، انجمنیں، عالمی کونسلیں اور بڑے بڑے لاج وکلب قائم کرکے انسانی معاشرہ میں اخلاقی انارکی، جنسی بے راہ روی کو فروغ دیا، بلند انسانی اقدار وروایات کو ختم کیا، انسانی ضمیر کو بگاڑ دیا، یہودیت کے علاوہ دوسرے تمام مذاہب وادیان کی غلط تشبیہ پیش کرکے ان کے ماننے والوں کو متنفر کردیا، اور نفس پرستی، مادیت، دہشت گردی، تشدد کو پسندیدہ بنا کر پیش کیا، آج دنیا میں جو بھی دہشت گردانہ اور تخریبی سرگرمیاں ہیں وہ سب ماسونیت ہی کی دین ہے۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

دارالعلوم کے سابق مہتمم اور ممتاز استاذ مولانا ابوالعرفان خاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ رضوان خاں ندوی کا تین ہفتہ قبل (۱۴ر جون مطابق ۱۷ر جمادی الاولی) ان کے وطن جون پور میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم علیل تو عرصہ سے چل رہے تھے ادھر کچھ عرصہ سے طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور آخری وقت آگیا ان کی والدہ ماجدہ ابھی بقید حیات ہیں اور ضعف پیری کے ساتھ اولاد کے انتقال کا غم جھیل رہی ہیں، رضوان مرحوم سے قبل ان کی بہن کا بھی طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا تھا اللہ تعالی والدہ ماجدہ کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ ان کے بچوں اور اہلیہ ودیگر پس ماندگان کو بھی صبر وہمت دے۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

عالم اسلام کی خبریں

از:...... سید جمشید احمد ندوی

کویت کے حالیہ پارلیمانی الیکشن میں اسلام پسند عناصر کا غلبہ

کویتی الیکشن کمیشن کے اعداد وشمار کے مطابق ووٹروں کی تعداد کل ۳۴۰۲۴۸ تھی جن میں سے ۲۲۳۱۸۷ لوگوں نے ووٹ دیا، ان میں مردوں کی تعداد ۱۲۵۳۴۸ تھی، اور عورتوں کی تعداد ۱۹۴۹۱۰ تھی۔ اس پارلیمانی الیکشن میں اصلاح کے حامیوں نے ۳۵ سیٹیں حاصل کی ہیں، جن میں سے اٹھارہ سیٹیں خالص اسلامی فکرور جحان رکھنے والے لوگوں کی ہیں، جن میں سے ۶ر اسلامی دستوری تحریک سے تعلق رکھتے ہیں، اور ۲ سلفی یونین سے، ۲ سلفی تحریک سے، اور ۲ شیعی تحریک سے اور ۶ کا تعلق خود مختار اسلام پسند جماعتوں سے ہے۔

بقیہ سترہ سیٹیں خود مختار جماعتوں اور عوامی یونین نے حاصل کی ہیں، یہ لوگ وطن مخالف فکرو رجحان کے حامل ہیں، یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ عورتوں نے ایک بھی سیٹ نہیں حاصل کی ہے جب کہ ووٹ میں ان کا تناسب ۵۷ فیصد تھا۔

اس الیکشن کے نتائج سے دو باتیں سامنے آئی ہیں، ایک تو یہ کہ اسلامی رجحان رکھنے والوں کی کامیابی مصر میں اخوان اور فلسطین میں حماس کی کامیابی ہی کا ایک حصہ ہے اور دوسری بات یہ کہ میڈیا عورتوں کی حق تلفی کے سلسلے میں جو کردار ادا کرتا رہا ہے وہ بے جا اور میڈیا کا منفی رویہ کا ایک حصہ تھا، اس لئے کہ اگر عورتوں پر اس سلسلے میں ظلم ہورہا ہوتا تو عورتوں کی اتنی بڑی شرکت کے بعد بھی ایک بھی نمائندہ عورت کا منتخب نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ عورتیں خود سیاست میں آنے کو اپنے لئے مفید نہیں سمجھ رہی ہیں۔

ان نتائج سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی دستوری تحریک ہی جدید پارلیمنٹ میں سیٹیں حاصل کرنے اور اپنی کارکردگی میں سب سے زیادہ کامیاب وبامراد رہی، بایں طور کہ ۶ سیٹیں انہوں نے زائد حاصل کی ہیں جب کہ سابق اسمبلی میں ان کی صرف دو سیٹیں تھیں، یہ لوگ خالص اسلامی فکرور جحان کے حامل ہیں۔

فلپائن کی عہد شکنی اور اسلامی جماعت مورو کے ٹھکانے پر بم باری

اسلامی جماعت مورو نے فلپائنی فوجیوں پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ تین سال سے جنگ بندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فلپائنی فوجیوں نے جزیرہ مینڈانا اور جنوبی فلپائن میں جہاں فلپینی مسلمانوں کی اکثریت ہے اسلامی جماعت مورو کے ٹھکانے پر بیس "ہاون بم" گرایا ہے، ایک ترجمان نے "اسلام الیوم" چینل کو بروز سوا موار، ۳/۷/۲۰۰۶ء کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ بلا کسی جواز کے "شریف اجواک" کے علاقہ میں جو مانیلا کے جنوب میں واقع ہے جماعت کے ٹھکانے پر فلپائنی فوجیوں کے بم گرانے کے بعد مسلمانوں نے امن بحال کرنے والی سرکاری کمیٹی کے ذمہ داران کے سامنے ایک سرکاری احتجاج کیا۔

حکومتی جنگ بندی کمیٹی کے ریٹائرڈ جنرل راموں سانتوس نے یہ وضاحت کی ہے کہ جماعت مذکورہ کی شکایت کی تحقیق ہورہی ہے۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ تقریبا چالیس سال کی کشمکش کو فرو کرنے کے لئے جس کے نتیجہ میں ۱۲۰ر افراد جاں بحق ہوچکے ہیں، اور جنوب میں ترقی کی رفتار بالکل ماند پڑچکی ہے، ۱۹۹۷ء سے تنظیم موتمر اسلامی سے مل کر ملیشیا اور لیبیا کے واسطے سے فلپائنی حکومت کے ساتھ اسلامی جماعت مورو کی گفت وشنید جاری ہے۔

ڈنمارک میں سب سے پہلی جامع مسجد کی تعمیر کے لئے عالمی چندے کی مہم

چار سال کی مسلسل کوششوں کے بعد مسلمان ڈنمارک میں سب سے پہلی جامع مسجد کی تعمیر کے لئے "ارغوس" میں کارپوریشن کی منظوری حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے، ان اسلامی تنظیموں کے متحد ہوجانے کے بعد جو گیارہ ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی تھیں، ان میں متعدد قومی تنظیمیں تھیں عربی، ترکی، صومالی، کردی، ان میں سے تین تنظیم نسواں تھیں، اور اس سلسلے میں باقی دیگر تنظیموں کی تائید بھی حاصل رہی ہے، بطور خاص حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت آمیز کارٹونوں کی اشاعت کے بعد، کارپوریشن نے مسجد کی تعمیر کے لئے اسلامی کالونی کے قریب زمین کا ایک حصہ الاٹ کردیا ہے۔

ڈنمارک کے تنظیم اسلامی یونین کے نائب صدر محمد قیس نے مستقبل کی پلاننگ کے سلسلے میں بتایا کہ پلاننگ کے ذمہ داران ڈنمارک کی مشہور اسلامی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، مسجد ڈنمارک کے نام پر بذریعہ انٹرنیٹ چندہ جمع کرنے کی مہم کا آغاز ۲/۶/۲۰۰۶ء سے ہوا۔

☆☆☆☆☆

صومالیہ میں اسلامی انقلاب

(صومالی حریت پسند تاریخ کے آئینہ میں)

از.............سلمان نسیم ندوی

اس وقت جبکہ عراق وافغانستان کے سقوط میں ظاہر بیں نگاہیں اسلامی نظام حکومت کے سقوط کو دیکھ رہی ہیں پہلے مصر پھر فلسطین اور کویت میں اسلام پسند افراد کی موثر کامیابی ایسے تمام اندازوں اور قیاس کو غلط ثابت کر رہی ہے، اور صومالیہ میں حالیہ اسلامی انقلاب نے تو کسی حد تک اقبال مرحوم کے اس شعر کی یاد تازہ کردی ہے:

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر نکلا ادھر ڈوبا، ادھر ڈوبا ادھر نکلا

افریقی ملک صومالیہ میں پچھلے مہینہ اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل نے صومالیہ کی دارلحکومت مقدیشو پر قابض ہونے کہ بعد پورے ملک پر بغیر کسی قابل ذکر مزاحمت کے اپنا کنٹرول مکمل کر لیا ہے۔ اور جنگجو ملیشیاؤں کے آخری مظبوط گڑھ جوہر اور مہدی پر بھی اپنی فتح کے پرچم لہرادئے ہیں۔

صومالیہ کی تاریخ: ایک نگاہ میں

صومالیہ براعظم افریقہ کا ایک ایسا ملک ہے جس کے شمال میں خلیج عدن ہے اور جنوب مشرق میں بحر ہند ہے، مغرب میں کینیا، اریٹیریا اور ایتھوپیا ہے، یہ ملک یورینیم، خام لوہا، تیل اور دیگر قیمتی معدنیات سے مالا مال ہے، اس کی جغرافیائی حیثیت اسٹریٹیجک اہمیت کا حامل ہے۔

تاریخ میں اصحاب رسول ﷺ کی پہلی ہجرت کے موقع پر بعض صحابہ کرام کے یہاں آنے کا سراغ ملتا ہے، انہیں میں حضرت عقیل بن ابی طالب کا بھی نام ہے، عرب فاتحین باقاعدہ ۷ ےء میں اس ملک میں داخل ہوئے، ۱۳ ویں اور ۱۶ ویں عیسوی صدی میں اس مملکت کی وسعت میں اضافے ہوئے اور نئے نئے علاقہ فتح ہوئے، اس زمانے کے مشہور رہنماؤں میں احمد بن ابراہیم غازی کا نام ملتا ہے، ان کی وفات کے بعد ۱۷ ویں صدی میں مسلمانوں کا اثر ونفوذ یہاں کم ہوگیا، قبائلی نظام کی گرفت مظبوط ہوگئی۔

مؤرخین صومالیہ کی ابتدائی تاریخ میں اس کو برطانوی اور اطالوی خیموں میں تقسیم کرتے ہیں، صومالیہ پر برطانوی قبضہ کے آغاز کی تاریخ رقم کرتے ہوئے مورخین لکھتے ہیں کہ ۱۷ ویں صدی میں برطانوی فوج اور اٹلی کے بعض افراد صومال میں آثار قدیمہ کی تحقیق وتلاش کے نام پر آئے لیکن تاریخی نقطہ نظر سے اس کا سراغ ملتا ہے کہ وہ اس عرصہ میں صومال کی فوجی ودفاعی پلان اور راز برطانیہ پہونچاتے رہے، ۱۸۶۹ء میں جب نہر سویس کا افتتاح کیا گیا تو برطانیہ کی اس خطہ میں دلچسپی بڑھی اور اس نے صومالی قبائل سے تجارتی تعلقات بحال کرنا چاہا، ادھر جرمن اور روس کو بھی صومالیہ کے ساحلی علاقوں سے دلچسپی بڑھ گئی، ۱۸۸۸ء میں برطانیہ نے فرانس سے مل کر ان ساحلی علاقوں کو اپنے انتظام میں لے لیا، ۱۸۸۹ء میں وہ اس خطہ کے اہم حصوں پر قابض ہوگیا، ۱۸۹۷ء میں حبشہ اور ۱۹۲۰ء میں اٹلی اور صومال سرحدیں متعین کی گئیں۔

صومال کا دوسرا حصہ جو ایطالوی صومالیہ کہلاتا تھا، یہاں جالا قبائل آباد تھا جو جزیرۃ العرب سے ساتویں صدی عیسوی میں یہاں منتقل ہوئے تھے، ۱۳ ویں صدی عیسوی میں اور دوسرے قبائل بھی یہاں آباد ہو گئے، پھر جالا قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا، مقدیشو بھی اسی حصہ میں تھا، ۱۹ ویں صدی کے اواخر میں مقدیشو کا مشرقی ساحل سلطنت عمان کے زیر انتظام تھا، اٹلی نے ۱۸۹۰ء میں سلطنت عمان سے تجارتی معاہدے کئے ۱۸۹۲ء میں اٹلی نے سلطنت عمان سے مقدیشو ساحل کے بندرگاہوں کو کرایہ پر حاصل کرلیا اور سلطان یہ تمام چیزیں ایسے ہی اٹلی کے حوالہ کرتے گئے جیسے یہ ان کو وراثت میں ملی ہو، ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۳۶ء کے عرصہ میں اٹلی نے صومالیہ کے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا، پھر اٹلی نے انگریزوں کو بھی ان کے زیر انتظام خطوں سے بے دخل کیا، لیکن ۱۹۴۱ء میں انگریزوں نے دوبارہ صومال پر حملہ کیا اور مقدیشو ودگر خطوں پر اپنا قبضہ جمالیا، جنگ ختم ہونے کہ بعد ۱۹۵۰ء میں صومال کو اقوام متحدہ کی نگرانی میں دے دیا گیا، اور پھر دس سال کے بعد صومالیہ کو آزادی مل گئی اور دستور وقوانین مرتب کئے گئے۔

صومالیہ جد وجہد کی زندہ علامت

صومالیہ کی تاریخ کے اس اجمالی خاکہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ استعماری طاقتیں ہر دور میں اس کو زیر نگین کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن ہر دور میں اس نے اپنی آن بان قائم رکھی، اور اپنی جد وجہد سے یہ ثابت کیا کہ وہ لقمۂ تر نہیں، حریت پسندوں نے ہر طرح کی قربانیاں دی اور استعماری طاقتوں کو دیش نکالا دیا، چنانچہ ۱۹۰۰ء سے لیکر ۱۹۲۰ء تک بطل جلیل، عالم دین محمد بن عبد اللہ حسن کی جہادی کوششوں نے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دئے، ۱۹۱۰ء میں برطانیہ کو ساحلی علاقہ چھوڑنا پڑا، ۱۹۱۳ء میں محمد بن عبد اللہ حسن کو برطانیوں پر زبردست فتح حاصل ہوئی، ۱۹۲۲ء میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی، برطانیہ کی صومال میں شکست اور محمد بن عبد اللہ حسن کی وفات کے بعد اٹلی نے قبضہ جمایا لیکن ۱۹۴۱ء میں اس کو ملک چھوڑنا پڑا، پھر ملک میں فوجی حکومت قائم ہوگئی، اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل نے آج جو کچھ کیا ہے وہ صومالیہ کے مردان حر کی پرانی تاریخ کا بہترین اعادہ ہے۔

مبصرین نے اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل کے صومالیہ پر اسقدر آسانی سے قبضہ مل جانے کا سبب صومال کا آپسی تنازعہ بیان کیا ہے، لیکن یہ رائے اپنے اندر زیادہ وزن نہیں رکھتی خصوصا اس تناظر میں کہ اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل جن میں ۱۴ پارٹیاں شامل ہیں یہ تمام پارٹیاں دینی فکر کی حامل اور اسلام پسند کی حیثیت سے معروف ہیں بلکہ بعض پارٹیوں کے دینی لگاؤ کا یہ عالم ہے کہ وہ دوسروں کی نگاہوں میں دینی تشدد کی حدوں سے آگے ہیں۔

اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل کی تاریخ

اس کونسل کی پہلی پارٹی ۱۹۹۴ء میں تشکیل پائی، اکتوبر ۱۹۹۳ء میں صومالیہ میں امریکا کو لالے پڑے ہوئے تھے، مقدیشو کی سڑکیں اس کے جانبازوں کی لاشوں کی منہ چڑا رہی تھی، لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ صومالی باشندے امریکی فوج کو مار کر خوشی کا نعرہ لگاتے، اس لئے کہ وہ اپنی زمیں پر اجنبی مداخلت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، اس وقت امریکا کو پسپائی اختیار کرنا پڑی، لیکن صومالیہ کو اپنے دام میں پھانسنے کے لئے اس نے دوسری ترکیب سوچی اور صومال کے جنگی کمانڈروں کو مسلح اور ان کی امداد شروع کی اس شرط پر کہ وہ صومالی عوام پر امریکی نگراں کی حیثیت سے کام کریں گے، اس مشن کو کامیاب بنانے کے لئے اس نے ملک میں خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کردی اور ملک شدید ترین امن بحران میں مبتلا ہوگیا، ایسے میں علماء کی ایک جماعت کھڑی ہوئی اور اس نے اس صورتحال کو بدلنے کے لئے شرعی عدالتوں کو قائم کرنا شروع کیا جن میں عوامی مسائل ومشکلات کا تجزیہ وتصفیہ ہو سکے، ان عدالتوں کے فوائد کو محسوس کرتے ہوئے مختلف عدالتیں قائم ہونا شروع ہوئیں۔

۲۰۰۵ء میں مختلف قبائل میں قائم شرعی عدالتوں پر مشتمل ایک یونین تشکیل پائی، شیخ شریف احمد اس کے سربراہ قرار پائے، اس جماعت نے دینی خدمات کے ساتھ ساتھ رفاہی خدمات انجام دی، مدارس واسکولز اقائم کئے، ہاسپٹلس بنوائے، جن علاقوں میں یہ عدالتیں قائم ہوتی گئیں وہاں امن وامان کی صورت بتدریج بہتر ہوتی گئی، جہاں کہیں کوئی واردات ہوتی قبیلہ کے جوانوں پر مشتمل شرعی عدالت کی فورس عدالت کے احکام کی تنفیذ کے لئے فورا حرکت میں آجاتی، آہستہ آہستہ جو لوگ جنگجو پارٹیوں کے کشتہ اور ان کے قتیل تھے، وہ اس جماعت میں شامل ہوتے چلے گئے، پھر اس جماعت نے اپنا ملیشیا (رضا کارانہ فوج) ترتیب دیا، عوام کا اس پر اعتماد بحال ہوا، یہی وہ جماعتیں ہیں جو اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل کی شکل میں آج صومالیہ پر حاکم ہیں۔

انقلاب کا محرک

اس انقلاب کا محرک یہ تھا کہ امریکا فوجی ایکشن کے ذریعہ صومال پر قبضہ کرنے میں ناکام ہو گیا تو اس نے وہ طریقہ اختیار کیا جس طریقہ کی وضاحت ایک یہودی فوجی مبصر نے اسرائیل کے لئے بطور مشورہ کے کیا تھا اور جو "حارٹس" (۲ رجون ۱۹۸۲ء) میں شائع ہوا تھا: "ہمارے اردگرد سنی (مسلمان) ماحول ہے، اسی لئے اسرائیل کے لئے از حد ضروری ہے کہ اپنے مصالح کی حفاظت کے لئے دوسری مذہبی اور نسلی اقلیات کو مسلح کرے، اور میڈیا میں اس پوائنٹ کا ہائی لائٹ کیا جائے کہ مشرق وسطی صرف اسلامی عربی ممالک کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں مختلف اقلیات بھی جیتی ہیں اور ان کا حق ہے"

اس بیان میں تین نکتے ہیں ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں:

۱۔ لفظ "سنی" کی تخصیص۔

۲۔ اسرائلی مفاد کی حفاظت کے لئے مشرق وسطی میں اقلیات کو غیر قانونی ہتھیار کی فراہمی۔

۳۔ اپنے مصالح کے حصول کے لئے مشرق وسطی کی اقلیات کے ذہن کو مسموم کرنے کے لئے میڈیا کا استعمال۔

مذکورہ بالا نقاط کی روشنی میں عالم عربی کے تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں جو کچھ پیش آرہا ہے وہ اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ اس کے لئے دہائیوں قبل پلاننگ کی جاتی ہے، حالات موافق نہ ہوں تو موافق بنایا جاتا ہے، اس وقت عراق کا شیعہ سنی بحران نتائج کے لحاظ سے امریکی حملہ سے زیادہ خطرناک ہے، تازہ معتبر رپورٹوں سے ایران امریکی گھناؤنے تعلقات کی جو اطلاعات بہم ہورہی ہیں وہ لفظ "سنی" کی تخصیص کی قلعی کھولتا ہے، سوڈان کی تقسیم وتفریق کو جس تدریجی مراحل سے گذار کر عملی

جامہ پہنایا گیا ہے اور دارفور کے نام نہاد مسئلہ کو جس طرح کیش کرایا گیا ہے وہ میڈیا کے رول اور اقلیتوں کو مسلح کرنے کی پالیسی کا ثبوت ہے۔

چنانچہ امریکا اسی اصول کے تحت صومال میں جنگجو پارٹیوں کے ہاتھ مضبوط کرتا رہا، ملینوں ڈالر کی امداد اور ہتھیار سے لیس کرتا رہا اور انہیں اپنے وجود کا احساس دلاتا رہا تا کہ وقت آنے پر وہ اپنی ان صلات کا بدلہ دے سکے، آخر کار پچھلے دنوں طویل طویل مذاکرات کے بعد ان جنگجو پارٹیوں کو یہ مہم سونپی گئی کہ صومالیہ میں القاعدہ کے افراد کی موجودگی کی موثوقہ اطلاعات ہیں اور ان کا تعلق اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل سے ہے، لہٰذا ان کو گرفتار کر کے امریکا کے حوالہ کیا جائے، اس کے لئے انسداد دہشت گردی نامی ایک تنظیم گذشتہ فروری میں وجود میں آئی، اس وقت اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل نے اس پیکٹ کو شیطانی پیکٹ کا نام دیا تھا، جس کا مقصد صومالیہ میں اسلامی بیداری کی بڑھتی لہر پر قدغن لگا تھا، اسی پالیسی کے تحت جنگجو پارٹی کے افراد نے اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل کے کام میں رخنہ ڈالنا شروع کیا حتی کہ جو افریقی عوام قحط سے دوچار ہیں ان کے لئے جمع رقوم کی ترسیل میں بھی رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کردی۔

اسی کے ساتھ ساتھ صومال کی عبوری حکومت نے ملک میں امن وامان بحال کرنے کے لئے اجنبی ممالک کو مداخلت کی اجازت دی تھی، اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل ہی نے حکومت کے اس اقدام کی سخت مخالفت کی اس لئے کہ دوسرے ممالک کا انجام اس کے سامنے تھا۔

اس صورتحال نے عوام کو بوکھلا دیا اور وہ سڑک پر اتر آئے، جنگ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی جس میں تقریباً ۲۰۰/افراد جاں بحق ہوئے، آخر کار اس کا نجام یہ نکلا کہ پورا ملک اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل کے زیر نگیں ہوگیا، امریکا کے لئے اس وقت یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ:

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں

موجودہ صورتحال

صومالیہ کی عبوری حکومت مذاکرات کے لئے تیار ہے، اس صورتحال نے امریکا کی پریشانی میں اضافہ کردیا ہے، مجبور ہو کر اس نے یورپین ممالک کی ایک اتحاد قائم کی ہے، جس میں اٹلی اور برطانیہ بھی ہے جو اس پہلے صومال پر قابض رہے ہیں اور بڑے بے آبرو ہو کر اس کوچے سے نکلے ہیں، اس اتحاد میں نرویج، تنزانیہ بھی شامل ہے۔ اس اتحاد کا مقصد یہ ہے کہ عبوری حکومت کو بحران سے نکال کر اقتدار اس کے سپرد کیا جائے اور اسلام پسندوں کے بے دخل اور ان کے اثر ونفوذ کو ہر ممکن طریقہ سے کم کیا جائے۔

دوسری طرف اس وقت افریقہ بشمول صومالیہ بدترین قحط سالی، فقر ومحتاجگی اور بھکمری سے دوچار ہے، اس مصیبت کے موقع پر اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل کی ذمہ داریاں بڑھ جائیں گی۔

ایک عربی اخبار اس انقلاب پر اسلامی گروپ صومالی سپریم اسلامک کورٹس کونسل کے اراکین کے لئے بڑا اچھا عنوان لگایا ہے، اخبار نے ان کو "افغنۃ الصومال" کے نام سے یاد کیا ہے، صومالیہ کے افغانی، اس میں افغانستان کے واقعہ سے عبرت پذیری، حالات کے مقابلہ کی مثبت اور سنجیدہ تیاری، جلد بازی میں کسی اقدام سے گریز، صومالیوں کی حریت پسندی اور روح آزادی کو خراج عقیدت اور مستقبل میں پیش آنے والے خطرات سے نشاندہی بھی موجود ہے۔

تجزیہ نگاروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ صومالیہ میں اسلام پسندوں کا برسر اقتدار آنا اور عبوری حکومت کی طرف سے کسی مداخلت کا نہ ہونا یہ امریکا کی شکست فاش ہے، لیکن وہ اس کو تسلیم نہیں کریگا، اب دو ہی صورت ہوگی یا تو اسلام پسندوں کا غلبہ قائم رہیگا اس صورت میں القاعدہ (اگر اس کا وجود ہے) کو اپنی جڑیں مضبوط کرنے کا موقع مل جائیگا اور اگر موجودہ حکومت کے خاتمہ کی کوشش کی جائیگی (جیسا کہ ایتھوپیا کے عزائم یعنی امریکی اشارہ سے اندازہ ہوتا ہے) تو ملک خانہ جنگی اور بحران کا شکار ہوگا اور القاعدہ (نام نہاد) کو کارروائیوں کو موقع ملیگا، دونوں صورتوں میں نقصان امریکا ہی کا ہوگا۔ ☆☆☆☆☆

ABDULLAH MALIK (Managing Director) Ph. : 0522-2266824, 2252789, (O) 2240999

Our World Famous Perfumes

Exporters, Importers & Manufacturing Perfums

Shamamtul, Keora, Gulab, Ruh Khus, Ruh Gulab, Mohsin Shamama, Malik Shamama etc.

253/28, Nadan Mahal Road, Nakhas, Lucknow, U.P. INDIA

پروپرائٹر: ولی اللہ

Mobile: 9415090544 Shop: 2627446 Res: 2254796

ولی اللہ جویلرس

WALIULLAH JEWELLERS

All Kinds of Gold, Silver & Diamond Jewellery

Jutey wali Gali, Aminabad, Lucknow

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA

44, Haji Building S. V. Patel Road

Null Bazar, Mumbai-400003

Tele: Add Cupkettle

Estd 1915 (S) 0522-2627123 (R) 2301838 (M)9415104065

نوٹ: اپنی ضرورت کی کتب بذریعہ ڈاک بھی طلب کر سکتے ہیں۔

صدیق بک ڈپو امین آباد پارک لکھنؤ

Maqbool Mian Jewellers

مقبول میاں جویلرس

Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow. 2258115

Mob: 9415001207-9335726377

Mobile: 9415750289 Shop: 0522-2617956

حرمین ٹریڈرس

محمدیہ پروڈکٹس کے سپراسٹاکیسٹ

کھوجاتی سرمہ۔ روغن بلسن۔ عطریات

نیل یو اے ای۔ کلونجی تیل اور کلونجی پروڈکٹس کے اسپشلسٹ

حرمین بک ڈپو

پرفیومس النبیل دوبئی

شہر لکھنؤ U.A.E. کے مختلف عطریات سے معطر

دکان نمبر 1/6 مسجد مرکز، ڈاکٹر بی۔ این۔ ورما روڈ

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز

Shirts, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pathanis, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gloves & Ties

men mark

58,

Ph: 2240381 E-Mail: mirzatoor-travel.hotmail.com

مرزا ٹور اینڈ ٹریول (رجسٹرڈ لکھنؤ)

MIRZA TOOR & TRAVEL

حج، عمرہ ٹور آرگنائزر اینڈ گائیڈ سروس

حج وعمرہ، ملک وبیرون ملک کے ہوائی ٹکٹ، ویزہ اسٹیمپنگ، امیگریشن وبیرونی ملک کی زرمبادلہ تبدیل کرنے کے لئے رابطہ قائم کریں

U. G. 29 AVADH POINT NAKKHAS CROSSING, LUCKNOW- 225811